ارمغانِ قاضی نجم ہری پوری

شعری مجموعہ

مرتّب:

محمد رضوان ندوی

استاد اردو، ایس۔ ایس ہائی اسکول، تیلتا، بلرام پور، کٹیہار، (بہار)

مستقل پتہ: مقام بھاگ طاہر (ہری پور)، پوسٹ امور، وایا بائسی ضلع پورنیہ، (بہار)

ارمغانِ قاضی نجم ہری پوری

مرتب: محمد رضوان ندوی

ارمُغانِ قاضی نجم ہری پوری

مرتب: محمد رضوان ندوی

استاذ اردو، ایس۔ ایس ہائی اسکول تیلتا، بلرام پور، کٹیہار، (بہار)

ناشر

محمد رضوان ندوی

مقام بھاگ طاہر (ہری پور)، پوسٹ امور، وایا بائسی، ضلع پورنیہ، (بہار)

نام کتاب: ارمغانِ قاضی نجم ہری پوری

شاعر: قاضی نجم الدین متخلص بہ رسوا و نجم

مرتب و ناشر: محمد رضوان ندوی

سال اشاعت: ۲۰۱۳ء مطابق ۱۴۳۴ھ

صفحات: ۲۴۹

تعداد: چارسو (۴۰۰)

کمپوزنگ: محمد رضوان ندوی

مطبع: نیو پرنٹ سینٹر، دریا گنج، نئی دہلی

قیمت: دوسو روپے/Rs.200

ملنے کے پتے

(!) محمد رضوان ندوی معرفت قاضی ماسٹر حامد حسن صاحب
مقام بھاگ طاہر، پوسٹ امور، وایا بائسی، ضلع پورنیہ، (بہار)

Armughan-e- Qazi Najam Haripuri
Compiled by Mohd. Rizwan Nadvi
At. Bhagtahir, P.O. Amour, Via Baisi, Distt. Purnea (Bihar)
Mob: 9955984127
E-mail: rizwannadvi@gmail.com

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی،
حکومتِ اتر پردیش لکھنؤ کے مالی تعاون
سے شائع ہوئی۔

انتساب

☆ اپنے والدِ محترم جناب قاضی حامد حسن صاحب اور اپنی والدہ محترمہ عذرا خاتون حفظہما اللہ کے نام جن کی آغوشِ شفقت میں میں پروان چڑھا اور جن کی بے پناہ شفقتوں نے زندگی کے ہر موڑ پر میری حوصلہ افزائی کی ۔
رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً۔(آمین)

☆ اپنے دادا قاضی جلالؔ ہری پوری مرحوم کے نام جن کی دعائے سحر گاہی اور فیضِ تربیت ہی کی بدولت میں اس لائق ہوا۔

☆ اپنے نانا جناب مکھیا محمد فاروق صاحب مرحوم ہری پوری کے نام جن کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے میرے والدین نے مجھے دینی تعلیم کے حصول پر لگایا۔افسوس صد افسوس کہ میرے نانا جان مورخہ ۱۵؍ مارچ ۲۰۰۸ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے، اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر اپنے خاص بندوں کے جوار میں جگہ نصیب کرے اور صبح و شام ابر ہائے رحمت ان کی قبر کو سیراب کرتے رہیں۔آمین!

☆ اپنی دادی محترمہ مریم النساء زوجہ قاضی جلالؔ ہری پوری کے نام جو میری کامیابی و کامرانی کے لئے ہمیشہ دعا گو رہتی ہیں۔

☆ اپنی رفیقۂ حیات محترمہ کہکشاں ریاضؔ کے نام جن کی رفاقت نے میری زندگی کے لمحات کو خوشگوار و پُرسکون بنایا ہے۔

☆ اپنی بیٹی ادیبہ نازؔ سلمہا کے نام جنہیں دیکھ کر میں اپنے سارے غم کو بھول جاتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں صحت و عافیت سے نوازے اور دین و دنیا میں کامیابی سے ہمکنار کرے۔آمین یا ربَّ العالمین!

☆ اپنے لختِ جگر عزیزی قاضی محمد تابش سلمہٗ کے نام جن سے میری بے شمار تمنائیں اور امیدیں وابستہ ہیں جو انشاءاللہ مستقبل میں میرے خاندان کے علمی و ادبی روایات کا امین ہوگا۔

فہرست مضامین

عرضِ مرتب

قارئینِ کرام! میں نے ۲۰۰۸ء میں اپنے دادا جناب قاضی جلال ہری پوری مرحوم کے اردوو فارسی کلام کا ایک انتخاب بعنوان ''کلامِ قاضی جلال ہری پوری'' ترتیب دے کر شائع کیا ہے جس کی ادبی حلقے میں کافی پذیرائی بھی ہوئی۔ اب میں اپنے پردادا جناب قاضی نجم ہری پوری کے اردوو فارسی کلام کا ایک انتخاب بھی بعنوان ''ارمغانِ قاضی نجم ہری پوری'' ترتیب دے کر زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے آپ تک پہنچا رہا ہوں۔ جناب نجم ہری پوری مرحوم سرزمینِ ہری پور، پورنیہ (بہار) کے اردو فارسی دونوں زبانوں کے ممتاز و قادر الکلام شاعر اور صاحبِ طرز انشاء پرداز تھے، مرحوم ۱۹۰۱ء میں موضع بھاگ طاہر (ہری پور)، امور، پورنیہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵/اپریل ۱۹۴۹ء میں اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے، اور اپنے آبائی قبرستان ہی میں سپردِ خاک ہوئے۔ اس مختصر سی مدت میں جناب نجم ہری پوری مرحوم نے اردوو فارسی دونوں زبانوں میں جو بیش بہا شعری و ادبی سرمایہ چھوڑا ہے، وہ یقیناً اہلِ وطن بالخصوص اہلِ پورنیہ کے لئے ایک قابلِ فخر سرمایہ ہے جسے آج سے نصف صدی پہلے ہی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آجانا چاہئے تھا لیکن اقتصادی و معاشی پسماندگی، دیہی زندگی، وسائل و ذرائع کی کمی اور ان سب سے بڑھ کر اہلِ پورنیہ کی ناقدری اور علمی و ادبی سرمایے سے بے اعتنائی کے باعث ایسا نہیں ہو سکا۔

واضح رہے کہ جناب قاضی نجم ہری پوری مرحوم میرے دادا قاضی جلال الدین جلال ہری پوری کے حقیقی چچا تھے۔ قاضی نجم ہری پوری کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی وفات کے بعد ان کے علمی و ادبی سرمایے کے وارث میرے دادا

جان ہی ہوئے لیکن وہ بھی اپنی مسلسل علالت کے باعث اپنی زندگی میں اپنے مرحوم چچا قاضی نجم ہری پوری کے کلام اور خود اپنے کلام کی طباعت واشاعت کے سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکے۔ یہاں تک کہ جب ۲۸ر اکتوبر ۱۹۹۷ء میں میرے دادا جان بھی اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے تو اپنے دادا قاضی جلالؔ ہری پوری اور پر دادا قاضی نجم ہری پوری مرحوم کے علمی وادبی سرمایے کا وارث وامین میں ہی بنا، اور آج تک میں نے اس علمی وادبی سرمایے کو (جو مجھے سیم وزر سے بھی زیادہ محبوب ہیں) اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔ ۱۹۹۷ء میں جب میرے دادا جناب قاضی جلالؔ ہری پوری کی وفات ہوئی ان دنوں میں عالمی شہرت یافتہ ممتاز درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں درجہ عربی ہفتم کا طالب علم تھا۔

چنانچہ دورانِ طالب علمی ہی میں نے اپنے خاندان کے اس بیش بہا علمی وادبی سرمایے کو محفوظ کرنے اور منظرِ عام پر لانے کا ایک خاکہ ذہن میں تیار کر لیا تھا اور مادرِ علمی سے فراغت کے بعد میں نے پورے عزم وارادہ کے ساتھ ترتیب وتدوین کے کام کا آغاز کر دیا اور دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کو بھی جاری رکھا، آج اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ مسلسل محنت اور عرق ریزی کے بعد جناب قاضی نجم الدین نجم ہری پوری مرحوم کے کلام کی ترتیب وتدوین کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

قارئین کرام! میں نے ''ارُمغانِ قاضی نجم ہری پوری'' میں جناب قاضی نجم ہری پوری مرحوم کی بیشتر اہم تخلیقات شامل کر دی ہیں جس میں غزلیں، نظمیں، حمد، نعت، منظوم شادیانہ رقعہ جات، سہرا وغیرہ شامل ہیں اور ان میں سے بیشتر تخلیقات آزادی سے قبل کی ہیں جو اُس عہد کے سیاسی، سماجی، دینی، اقتصادی، تہذیبی، ثقافتی، لسانی اور ادبی حالات

ورحجانات کی آئینہ دار ہیں۔ واضح رہے کہ جناب نجم ہری پوری کی مندرجہ ذیل نظمیں ''ہجومِ تمنا، عکسِ دلِ مجروح، پرواز وانحطاطِ پرواز، یادِ ماضی، دیدۂ بینا لئے ہوئے، تلاشِ سخن شناس، ظاہر وباطن، اب بہارِ جانفزا آئی''
بلاعنوان تھیں جن کے عنوانات میں نے نجم ہری پوری کے شاگردِ رشید اور مزاج شناس جناب شمس جلیلی جو خود اردو کے ممتاز ومعروف شاعر ہیں کے مشورے سے قائم کئے ہیں اس لئے باذوق قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ ان کے عنوانات آپ اپنے ذوق کے لحاظ سے بھی قائم کر سکتے ہیں۔

کمپوزنگ کے سلسلے میں بھی یہ وضاحت ضروری ہے کہ اردو کلام کی کمپوزنگ میں بڑی حد تک جدید نظامِ املا کا خیال رکھا گیا ہے اور فارسی کلام کی کمپوزنگ میں مکمل جدید فارسی نظامِ املا کا خیال رکھا گیا ہے فارسی جدید نظام املا کی چند مثالیں قارئین کی سہولت کی خاطر تحریر کررہا ہوں جیسے ''داغہائے جگر'' کو جدید فارسی نظامِ املا کے تحت ''داغہای جگر'' لکھا جاتا ہے اسی طرح سے ''اے پدر'' کو جدید فارسی نظامِ املا کے تحت ''ای پدر'' لکھا جاتا ہے یعنی یائے مجہول کو بھی یائے معروف ہی کی شکل میں لکھا جاتا ہے اسی طرح نون غنہ کی جگہ بھی ہمیشہ نونِ ظاہر ہی لکھا جاتا ہے جیسے ''شاد ماں'' کو ''شاد مان'' لکھا جاتا ہے۔ اس موقع پر میں اہلِ فن اور اربابِ نقد ونظر سے اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مجموعہ کی ترتیب وتدوین میں جو خامیاں اور فروگذاشتیں نظر آئیں انہیں میری کم علمی، بے بضاعتی اور ناتجربہ کاری پر محمول کریں۔ مجھے اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہے کہ تدوین وترتیب کے کام کو انجام دینے کے لئے جس وسیع علم، گہرے مطالعے، طویل

تجربے، ذہنی سکون اور معاشی واقتصادی استحکام کی ضرورت پڑتی ہے ان سے میں محروم ہوں، لہٰذا مجموعۂ کلام میں خامیوں کا پایا جانا یقینی ہے۔ امیدِ قوی ہے کہ اہلِ علم وادب اور اربابِ نقد ونظر ہماری خامیوں سے ہمیں مطلع فرما کر ہمارے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔

محمد رضوان ندوی

استاد اردو، ہائی اسکول، تیلتا،

بلرام پور، کٹیہار، (بہار)

۲۲؍ستمبر ۲۰۱۳ء

مقدمہ

پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن دانش

سابق صدر شعبۂ اردو، بی این منڈل یونیورسٹی، مدھے پورہ

"زمینِ شور اور کالا پانی" کے نام سے بدنام پورنیہ نے کیسے کیسے لعل و گہر پیدا کئے۔ یہاں جرار فوجداران بھی پیوندِ خاک ہوئے جن کے دربار میں کیسے کیسے ادیب و شاعر پروان چڑھے۔ سیر المتاخرین کے مصنف سید غلام حسین طباطبائی اسی دربار سے وابستہ رہے اور سیر المتاخرین جیسی اہم کتاب تصنیف کی۔ یہیں شاہ کفایت اللہ نے پورنیہ کی پہلی کتاب "بدیادھر" ۱۷۲۸ء میں تصنیف کی، غرض یہ کہ پورنیہ کے لعل و گہر میں جناب قاضی نجم الدین نجم ہری پوری ایک قیمتی اور بیش بہا لعل و گہر ہیں۔

قاضی نجم الدین نجم ہری پوری ضلع پورنیہ کے امور بلاک کے ایک انتہائی مشہور و مردم خیز گاؤں بھاگ طاہر معروف بہ ہری پور میں ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے، سرزمینِ ہری پور علمی و ادبی حلقے میں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ تاریخِ پورنیہ کے مصنف مولانا یوسف رشیدیؔ ہری پوری بھی یہیں پیدا ہوئے۔ نجم ہری پوری کے والدِ گرامی قاضی منشی مہتاب الدین احمد (جو جید فارسی داں اور اردو فارسی کے شاعر بھی تھے) کے گرد علاقے کے اردو و فارسی کے ممتاز شعراء، ادباء علماء اور فضلاء پروانہ وار جمع ہوتے تھے۔ خود نجم ہری پوری کے بڑے بھائی قاضی منشی عبدالرحیم ہری پوری کا شمار علاقے کے ممتاز فارسی دانوں میں ہوتا تھا۔ نجم ہری پوری کے حقیقی بھتیجے اور قاضی منشی عبدالرحیم ہری پوری کے فرزند قاضی جلال الدین جلالؔ ہری پوری اردو و فارسی کے قادرالکلام اور ممتاز شاعر تھے۔ پورنیہ کے مشہور و معروف شاعر و ادیب منشی مراد حسین یتیم کھپڑوی طویل

عرصہ تک نجم ہری پوری کے بڑے بھائی قاضی منشی عبدالرحیم ہری پوری اور قاضی منشی عبدالستار کے اتالیق کی حیثیت سے نجم کے گھر مقیم رہے۔ پورنیہ کے دیگر مشہور شعراء میں منشی کرامت حسین تمنا دلشاد پوری، منشی تصدق حسین مشتاق دلشاد پوری اور مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ رحمان پوری کے تعلقات اس خاندان سے گہرے تھے بقول شمس جلیلی:

"نجم ہری پوری کے دادا جناب قاضی منشی مدد علی اور ان کے والد بزرگوار قاضی منشی مہتاب الدین احمد کی علم دوستی، ادب پروری اور اہلِ علم کی قدر دانی کے باعث سرزمینِ ہری پور کو ایک مرکزیت حاصل ہو چکی تھی چنانچہ نجم ہری پوری پر اس علمی و ادبی اور شاعرانہ ماحول کا اثر یہ ہوا کہ آپ اپنے دور کے اردو و فارسی دونوں زبانوں کے قادرالکلام شاعر اور صاحبِ طرز انشاء پرداز کی حیثیت سے ابھرے اور دنیائے شعر و ادب میں آپ نے اپنی منفرد شناخت بنائی۔ غرض یہ ہے کہ ہری پور شعر و ادب کا گہوارہ بنا ہوا تھا جہاں نجم ہری پوری نے آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھے۔"

اس شعری و ادبی ماحول کی وجہ سے نجم ہری پوری نے ابتدائی عمر سے ہی شاعری شروع کر دی تھی اور ابتداء سے اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرنے لگے تھے۔ ان کا یہ شاعرانہ ذوق روز بروز پروان چڑھتا رہا۔ شروع میں وہ رسوا تخلص کرتے تھے لیکن ۱۹۳۸ء کے بعد نجم کرنے لگے۔

نجم ہری پوری میں شاعری کی فطری صلاحیت موجود تھی۔ ان کی طبیعت میں

ذوقِ شعر وسخن کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ شاعری ان کو وراثت میں بھی ملی تھی۔ ان کی طبیعت اور فطرت میں شاعری رچی بسی تھی۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ نجم ہری پوری شاعر پیدا ہی ہوئے تھے۔ ان میں قدرت نے شاعرانہ صلاحیت ودیعت کردی تھی۔ انہوں نے اردو میں حمد، نعت، نظم اور غزل میں طبع آزمائی کی ہے۔ مجموعہ کے مشمولات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو شاعری میں نظم نگاری میں جناب نجم ہری پوری کو زیادہ ملکہ حاصل ہے۔ انہوں نے کم وبیش چالیس ۴۰ نظمیں لکھی ہیں جبکہ ان کی غزلوں کی تعداد صرف اٹھارہ ہیں ان کی قابلِ ذکر نظموں میں حمدِ باری تعالیٰ، دربارِ رسالت مآب میں، پیغامِ عمل، نوجوانانِ وطن سے خطاب، ہندوستانی مسلمان، شکستہ دل کی آواز، گنگناہٹ، طالبِ علمی، شاعر، دورنگی، زبانِ اردو، ایمانی منظر، نرالا غمگین، شاعر کا پیغام شعراء کے نام، دیدۂ تحقیق، اور پیر و مرشد ہیں۔ نجم ہری پوری دراصل نظم کے شاعر نظر آتے ہیں انہوں نے اردو نظم نگاری کو فروغ عطا کیا ہے۔ یوں تو ان کی غزلوں میں بھی اچھے اشعار کی کمی نہیں ہے۔ لیکن نظم نگاری کے میدان میں وہ زیادہ کامیاب ہیں۔ ان کی نظموں میں بلا کی سادگی ہے وہ مختلف ومتنوع موضوعات پر سلاست وروانی کے ساتھ اپنے خیالات وجذبات کے اظہار پر قادر ہیں دیکھئے نظم حمدِ باری تعالیٰ میں بچوں کی زبان سے اظہارِ جذبات:

الٰہی ہم سب ہیں مخلوق تو خالق ہمارا ہے
تو ہی ہے صانعِ کل اور تو ہی عالم آرا ہے
وہ دل دے تا کہ ہم دامن گلِ مقصود سے بھر لیں

دعا کا ہاتھ تیرے سامنے پروردگارا! ہے
چمکتا رکھ اسے یارب سدا تُو اوجِ قسمت میں
ہمارے بخت کا یہ نجم جو روشن ستارا ہے

دربارِ رسالت مآبؐ میں شاعر نے بڑے احترام وعقیدت کے ساتھ اپنے پاکیزہ خیالات وجذبات کا اظہار کیا ہے۔ دواشعار ملاحظہ ہوں جو حُبِّ رسولؐ میں ڈوبے ہوئے ہیں:

جان سے خوش تر نبیؐ جی ہے محبت آپؐ کی
دین اور ایمان کا مظہر ہے الفت آپؐ کی
روضۂ اقدس پہ شاہا! جلد بلوا لیجئے
نجم کی آنکھوں کو رُلواتی ہے فرقت آپؐ کی

حمد ونعت کے بعد شاعر اہلِ ملت کے لئے پیغامِ عمل پیش کرتا ہے اور ملت کے اندر موجود خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے اور اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر پھر سے ماضی کی سی شان پیدا کرنے کا مشورہ دیتا ہے:

اگر ہے زندگی درکار تازہ جان پیدا کر
زمانے میں تو سچی زندگی کی شان پیدا کر
تجھے اغیار پر غلبہ نہ حاصل ہو یہ کیا معنیٰ؟
ذرا ماضی کا اپنے حال میں عنوان پیدا کر

پھر مسلمانوں کی آپسی نااتفاقی اور اجتماعیّت کے فقدان کی جانب اشارہ کیا ہے

اور پھر سے شیر وشکر ہونے کی صلاح دی ہے اور کفن کو خون سے رنگ کر شہادت کا درجہ حاصل کرنے کی تلقین کی ہے:

ترے آباء بہم تھے متفق تو پھوٹ کا بانی
مٹا کر پھوٹ پھر شیروشکر کی شان پیدا کر
ہے ماضی کی طرح جو دیکھنا رنگین مستقبل
کفن کو خون سے رنگنے کا پھر ارمان پیدا کر

نظم ''نوجوانانِ وطن سے خطاب'' میں بھی ملک وملت کے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے خصوصاً مسلم نوجوانوں کو للکارتے ہوئے کہتے ہیں:

اگر بننا ہے غالب صفدرِ خیبر شکن ہوجا
جوابِ زور میں رستم نہیں، رستم فگن ہوجا
تو گو احباب کی محفل میں بن کر جام کوثر ہے
صفِ اعداء میں لیکن اژدہائے صد دہن ہوجا
بہار آئے گی البتہ ترے باغِ ارادت میں
تو پائے استقامت کو لئے سروِ چمن ہوجا

نظم ''زبانِ اردو'' میں نجم ہری پوری نے اردو زبان کی مدح سرائی کی ہے۔ گویا کہ پوری نظم میں وہ اردو زبان ہی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں:

فاتحِ ملک نہ کیوں کر ہو زبانِ اردو
شانِ اردو ہے زمانے میں نشانِ اردو

عربی، فارسی اور ترکی و انگلش اس میں
جان ہے جملہ زبانوں کی زبانِ اردو

''مسلمانوں کا ماضی حال اور راہِ نجات'' ایک طویل نظم ہے جس میں شاعر نے ماضی اور حال کا آئینہ دکھا کر مسلمانوں کو نجات کی راہ دکھائی ہے۔ اور انہیں خوابِ غفلت سے بیدار ہونے اور پیہم جدو جہد کرنے کی تلقین کی ہے:

تمہارا عِلم دنیا میں نمایاں ہو عَلَم بن کر
عمل بھی ہو تمہارے ساتھ قدرت کا قلم بن کر
ضرورت ہے کہ اب تم چونک اٹھو خوابِ غفلت سے
تمہارا بخت تم پر رو رہا ہے یاس و حسرت سے

ان کی تمام نظمیں تقریباً ایک ہی تیور کی ہیں۔ مذہبی اور ملی جذبات واحساسات کا غلبہ ہر جگہ موجود ہے۔ نظموں میں ان کا لہجہ دردمندانہ ہے۔ انہوں نے ہمیشہ ہمت وحوصلہ کی بات کی ہے۔ کہیں پر وہ پست ہمت نہیں ہوتے بلکہ اسلاف کی عظمت وشوکت کا نظارہ کراتے ہیں۔ غرض یہ کہ ان کے یہاں رجائیت ہے قنوطیت نہیں۔ ان کی نظموں میں رومانی اشعار ناپید ہیں انہوں نے اپنی نظموں میں عشقِ مجازی اور رومانی جذبات کے اظہار سے احتراز کیا ہے۔ انہوں نے اپنی نظم ''شاعر کا پیغام شعراء کے نام'' میں شاعروں کے لئے نصیحت آمیز پیغام دیا ہے چنانچہ شاعروں سے مخاطب

ہو کر کہتے ہیں:

مرحبا اے شاعرانِ نکتہ پرور مرحبا
ہم نے مانا آپ سب ہیں بلبلانِ خوش نوا
ہاں بہت مسحور کن ہے خوش نوائی آپ کی
دل فریبِ مردماں نغمہ سرائی آپ کی
اس سے کیا حاصل بھلا کچھ آپ ہی فرمایئے
آئے دن یونہی جو اپنی شاعری دہرایئے
جھوٹے عاشق بن کے کب تک عشق فرمائیں گے آپ
عارضی حسنِ بتاں سے جی کو بہلائیں گے آپ
ہاں بتائیں قصہ ہائے درد و درماں تابکے
ذکرِ وصل و شکوہائے داغِ ہجراں تابکے

پھر آگے شاعروں کو فرسودہ شاعری چھوڑ کر قوم وملت کی تعمیر وتشکیل کی دعوت دیتے ہیں اور خوابیدہ قوم کو بیدار کرنے اور قومی ترانے گانے کی تلقین کرتے ہیں۔غزل خوانی کی جگہ رجز خوانی کو پسند کرتے ہیں اور علامہ اقبالؔ کے طرز میں بانگِ رحیل بلند کرنے کی صلاح دیتے ہیں:

چھوڑیئے ان سب کو اب قومی ترانے گایئے
قومِ خوابیدہ کو بیداری میں پھر کچھ لایئے
بزم گاہوں میں غزل خواں مدتوں تک رہ چکے

رجز خوانی رزم گاہوں میں بھی کچھ تو چاہیے
شعر میں اقبالؔ کا انداز پیدا کیجئے
دہر میں بانگِ درا پھر اک ہویدا کیجئے
آپ سے اسلام کا پھر بول بالا ہو رہے
ہند کے ظلمت کدہ میں پھر اجالا ہو رہے
نجم کا پیغام گوشِ دل سے کچھ سن لیجئے
شاعری کرنے کو قومی شاعری چن لیجئے

اس نظم کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نجم ہری پوری کی شاعری کا کیا مزاج ہے کم وبیش ان کی تمام نظموں کا یہی رنگ وآہنگ ہے وہ مقصدی شاعری کے قائل ہیں اور مُخربِ اخلاق شاعری کے شدید مخالف ہیں۔

اس مجموعہ میں ''پیر ومرشد'' کے عنوان سے ایک طویل نظم ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے پیر ومرشد شیخِ طریقت قطبِ دوراں حضرت الحاج حافظ حامد حسن علوی اعظمیؒ سے انتہائی عقیدت تھی پوری نظم میں اپنے پیر ومرشد کی قصیدہ خوانی کی ہے آخری دوشعر میں اپنے مقصد کا اظہار یوں کرتے ہیں:

کاش ہو میری طرف چشمِ توجہ ایک بار
کٹ چکے ایامِ غفلت حضرتِ حامد حسن
نجم بھی ساغر بکف آیا ہے اب پیشِ حضور
دیجئے بھر اپنی الفت حضرتِ حامد حسن

اس کے علاوہ اس مجموعہ میں کئی چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں، منظوم شادیانہ رقعے اور تہنیت نامے بھی ہیں جو نجم ہری پوری کے نظمیہ سرمایہ میں شامل ہیں۔

ان کی تمام نظموں میں ایک مقصد پوشیدہ ہے جو ہر جگہ قائم ودائم ہے۔ نجم ہری پوری ایک مقصدی شاعر ہیں ان کے یہاں فکر کی رفعت ہے جسے انہوں نے شاعرانہ سوز وگداز اور لطافت سے آراستہ کیا ہے۔

یہاں تک نجم ہری پوری کی چند اہم نظموں کا سرسری جائزہ تھا اب ایک نظر ان کی غزلوں پر بھی ڈال لی جائے نجم ہری پوری نے نظموں کے ساتھ غزلیں بھی کہیں ہیں۔ غزلوں میں بھی انہوں نے اپنا انفرادی رنگ قائم رکھا ہے۔ گو انہوں نے غزلوں میں لوازماتِ غزل۔ ساغر و مینا، عاشق ومعشوق، صراحی وجام، ساقیِ گلفام، پیمانہ ومیخانہ کا خوب استعمال کیا ہے لیکن کہیں بھی انہوں نے اپنی مذہبی روش نہیں چھوڑی ہے۔ تصوف غزل کا خاص موضوع رہا ہے جو جناب نجم ہری پوری کے مزاج کے مطابق اور مناسب بھی ہے، کیونکہ نجم ہری پوری بادۂ تصوف سے سرشار نظر آتے ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کاش انہیں آنکھوں کے بالکل سامنے دیکھا کروں
میرے ان کے درمیاں پردہ کوئی حائل نہ ہو

اے دلِ دیوانہ، تو ہے طالبِ صادق اگر
مانگ تو ان سے انہی کو غیر کا سائل نہ ہو

ہاں مجھے ایسی کوئی مے تو پلادے ساقی!
ایک ہی گھونٹ میں بس بے خود و مستانہ بنوں

کاش رسوا روزِ محشر ہے جو رسوائی کا دن
ڈھانکنے والا مرے عیبوں کا وہ ستار ہو
اللہ اللہ، کس حسیں کا میں شہیدِ ناز ہوں
قبر پر رضواں چڑھاتا پھول صبح و شام ہے
کیوں جائیں در پہ غیر کے ہم ان کو چھوڑ کر
کیا ان کے پاس چارۂ دردِ نہاں نہیں
آنکھوں سے ان کا جلوہ کسی دم نہاں نہیں
لیکن یہ طرفہ ماجرا صورت عیاں نہیں
دیر و حرم یہ دونوں ہیں دھوکے کی ٹٹیاں
دل کے سوائے اور کہیں ان کا مکاں نہیں
نجم! دل آئینۂ روئے خدا ہے فی الحق
کیا عجب اس میں وہ صورت بھی دکھا دے مجھ کو

غزل ایک ایسی صنف ہے جس میں شاعر اپنے لطیف تر خیالات وجذبات کو حسین تر پیرائے میں پیش کرتا ہے اس میں حسن وعشق کے جذبات کی کارفرمائی زندگی کی سخت کوشی کی رونمائی خُم وخُم خانے کی رعنائی سب کچھ ممکن ہے ۔ چنانچہ اردو کے ایک بڑے شاعرو ناقد ڈاکٹر سلام سندیلوی غزل کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''میں نے غزل کے سلسلہ میں یہ محسوس کیا ہے کہ داخلی جذبات کے

اظہار کے لئے یہ ایک حسین آلہ ہے۔ دل کی کوئی چوٹ ایسی نہیں جو غزل کے ذریعہ صفحۂ قرطاس پر ابھاری نہ جا سکے غزل ایک ایسی صنف ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے دلی جذبات کے جلوے بھی پیش کر سکتے ہیں اور ان پر پردے بھی ڈال سکتے ہیں۔ جلوہ و پردہ کا یہ اجالا اندھیرا صرف غزل ہی میں مل سکتا ہے''

اس رائے کی روشنی میں نجم ہری پوری کی غزلوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نجم ہری پوری کی غزلوں میں یہ خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ان کی غزلوں میں حسن و عشق کی کارفرمائی دیکھئے:

چوٹ جو کھائی ہے دل پر میں نے راہ عشق میں
یا الٰہی حشر تک اس کا اثر زائل نہ ہو

صیاد! تجھ کو دوں گا دعائیں بہت بہت
مجھ کو بھی صیدکرلے ہاں اک تیر مار کر

دنیا و دین میں مرے قاتل کی خیر ہو
یہ ہاتھ اٹھا اٹھا کے خدا سے دعا کروں

کیا ربطِ حسن و عشق ہے بزمِ وصال میں
وہ گھوریں مجھ کو اور میں اُن کو تکا کروں

تو اتر آئے مرے دل میں جو اے پیکر نور!
میں سراپا ہمہ تن جلوۂ جانانہ بنوں

اُن کا اور میرا رہے یونہی بہم ناز و نیاز
وار پر ہو وار اُدھر سے اور اِدھر سے پیار ہو

بام پر مصروفِ نظّارہ کوئی ناوک فگن
خاک میں بسمل تڑپتا کوئی زیرِ بام ہے

دلدادگانِ حسن کا کیا خاک جی لگے
رونق فزائے بزم جو وہ دلستاں نہیں

غزل میں خمریات یعنی خُم وصراحی، مئے و مینا، میخانہ و پیمانہ کا تذکرہ خاصا اہم ہے شعراء نے ان لوازمات کا سہارا لے کر بڑی کارآمد باتیں کہیں ہیں۔ اور غزل کو حسین و لطیف بنایا ہے اور اس میں دلکشی و نغمگی پیدا کی ہے نجم ہری پوری نے بھی اِن لوازمات کا سہارا لیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

خواہشِ دل ہے کہ خاکِ درِ میخانہ بنوں
خاک سے جب بھی اٹھوں ساغر و پیمانہ بنوں

ہاں، مجھے ایسی کوئی مئے تو پلادے ساقی!
ایک ہی گھونٹ میں بیخود و مستانہ بنوں

ہیں اداسی میں صراحی و خُم و جام ابھی
کاش آجائے ادھر ساقیِ گلفام ابھی

ناصحا ! میں ہوں طلب گارِ مئے و جام ابھی
تیری سننے کا نہیں یہ دلِ ناکام ابھی

بادہ پرستیوں میں ہو کیا لطف ہمدمو!
اس میکدہ میں اب کوئی پیرِ مُغاں نہیں

اس کے علاوہ غزل میں ناصح، واعظ، رقیب، صیاد، دام و بلبل کا تذکرہ بھی ہوتا آیا ہے۔ ہر چھوٹے بڑے شاعروں نے ان روایتی لوازمات کا سہارا لیا ہے۔ چنانچہ نجم ہری پوری نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

ناصحا! میں ہوں طلب گارِ مئے و جام ابھی
تیری سننے کا نہیں یہ دلِ ناکام ابھی

کس طرح کوئی اس بتِ صیّاد سے بچے
چلتے ہیں تیر ہاتھ میں لیکن کماں نہیں

مجھ سے وہ برکنار، رقیبوں سے ہم بغل
کہئے نہ کیوں میں موت کی پھر التجا کروں

اخیر میں غزل کے چند اچھے اور موثر اشعار پیش کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں:

منزلِ راہِ طریقت میں مدد کر اے شوق!
سختیاں آئیں تو بس ہمتِ مردانہ بنوں

دیدۂ پُر نم تصور میں بنے مثلِ صدف
اشک کا قطرہ جو ٹپکے لُولوِ شہوار ہو

قند و نبات بھی نہ کہیں منھ کو چوم لیں
کیا لطف مل رہا ہے تری گفتگو سے آج

سوزِ جگر سے جلتے ہیں ہم شمع کی طرح
اف رے! کمالِ ضبط کہ لب پر فغاں نہیں
سخت پتھر بھی شیشۂ نازک تر بھی
"آہ! کیا چیز ہے دل کوئی بتادے مجھ کو"
لگ گئیں آنکھیں مری یاد میں روتے روتے
دیکھنا کوئی نہ بھولے سے جگا دے مجھ کو
سینہ میں کوئی خنجرِ خوں خوار بھونک دوں
میں اپنے دردِ دل کی اسی سے دوا کروں

الغرض نجم ہری پوری کے اردو کلام کے مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک قادرالکلام اور فطری شاعر تھے۔انہوں نے ادبی مراکز ودبستانوں سے دور افتادہ ہری پور جیسے دیہی اور پسماندہ علاقے میں رہ کر جو دادِ سخن دی ہے اور بالخصوص بامقصد نظم نگاری کے فروغ میں نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے یقیناً وہ لائقِ صد ستائش ہے۔ان کے اس عظیم کارنامے کو قدیم پورنیہ کے شعراء وادباء پر تحقیقی کام کرنے والے افراد کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ان کے کارنامے کے تذکرہ کے بغیر قدیم پورنیہ کی شعری وادبی تاریخ نامکمل رہے گی۔

اس مجموعہ میں قاضی نجم الدین نجم ہری پوری کے فارسی کلام بھی شامل ہیں اس میں ۲۵ غزلیں، تین منظوم مراسلات ایک "التجا بہ پیر ومرشد" ایک قصیدہ در مدحِ دیوان ابوالحسن" دو معذرت نامے موسوم بہ مولوی واعظ الدین وظہور الحسن

اور چند معمہ جات شامل ہیں ۔ابتداء میں انہوں نے فارسی واردو دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے اور ایک طویل عرصہ تک دونوں زبانوں میں مشقِ سخن کا سلسلہ جاری رکھا۔لیکن آہستہ آہستہ جب فارسی دانی و فارسی فہمی کا زور کم ہوتا گیا تو انہوں نے ۱۹۳۸ء میں فارسی شاعری ترک کردی اور اپنے جذبات واحساسات کی ترجمانی کے لئے صرف اردو شاعری کا سہارا لیا اور رسواؔ تخلص کے بجائے نجمؔ تخلص کرنے لگے ۔ان کے فارسی کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا سارا فارسی کلام ۱۹۳۸ء سے پہلے کا ہے کیونکہ انہوں نے فارسی کلام میں صرف رسواؔ تخلص اختیار کیا ہے۔ان کے فارسی کلام پر الگ سے لکھنے کی ضرورت ہے یہاں صرف اردو کلام ہی کے تبصرہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

آخر میں ارمغانِ قاضی نجم ہری پوری کے مُرتب جناب قاضی نجم الدین نجم ہری پوری کے حقیقی بھتیجے اردو و فارسی کے ممتاز شاعر قاضی جلال الدین جلالؔ ہری پوری مرحوم کے پوتے عزیز گرامی مولانا محمد رضوان ندوی مبارکباد کے مستحق ہیں جنھوں نے اپنے پردادا قاضی نجم ہری پوری کی وفات پر نصف صدی سے زائد کی طویل مدت گذر جانے کے بعد ان کے شعری سرمایہ (جو دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہ گیا ہے) کو محفوظ کرنے اور منظرِ عام پر لانے کا بیڑا اٹھایا ہے اللہ ان کو اس نیک مقصد میں کامیاب بنائے آمین !! امید ہے کہ یہ شعری مجموعہ علمی وادبی حلقے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

قاضی نجم ہری پوری ایک اسلامی ترقی پسند شاعر

شمس جلیلی (ایڈوکیٹ) لائن بازار، پورنیہ

قارئین کرام! نجم ہری پوری کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالنے سے قبل یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ اُن کی یہ تخلیقات بیسوی صدی کے نصفِ اول کی ہیں۔ اسے اسی تناظر میں دیکھنا، پرکھنا اور اس کی قدر و قیمت کا تعین کرنا ہوگا۔ درحقیقت نجم ہری پوری کا مجموعۂ کلام آزادی سے پہلے پورنیہ کے ترقی پسند قصرِ اردو کی خشتِ اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ واضح رہے کہ جناب نجم ہری پوری مرحوم راقم الحروف کے استاد و مربی تھے۔ خاکسار نے ان کی بافیض ذات سے بہت کچھ اکتسابِ فیض کیا ہے۔ یہ خبر میرے لئے بالخصوص اور قدیم پورنیہ کے باشندگان کے لئے بالعموم انتہائی مسرت کی ہے کہ خانوادۂ نجم کے ایک ہونہار چشم و چراغ عزیزی مولوی محمد رضوان ندوی نے اپنے جدِّ امجد کے کلام کو ترتیب دے کر اس کی طباعت و اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ انہوں نے راقم سے اس مجموعۂ کلام پر ایک تبصرہ لکھنے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ عزیزِ موصوف کی خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے میں نے یہ مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون میں استادِ مرحوم کے اردو کلام کا ایک سرسری جائزہ لیا گیا ہے جو نذرِ قارئین ہے۔

نجم ہری پوری کے ابتدائی دور کی غزلوں میں صوفیانہ رنگ اور فارسی شاعری کی روایات کا غلبہ نظر آتا ہے اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ فارسی ادب کا کثرتِ مطالعہ اور فارسی شعر گوئی کی مشق نے یہ روایت ان کی اردو شاعری میں بھی منتقل کردی۔ دوسری بات یہ ہے کہ نجم ہری پوری مرحوم مشہور و معروف بزرگ پیرِ طریقت حضرت الحاج حافظ

حامد حسن علویؒ کے مرید تھے اور تصوف وسلوک کی تعلیمات کی تکمیل ان ہی سے کی تھی۔ اس صوفیانہ مزاج اور ماحول نے ان کی روایتی شاعری کا رنگ اور گاڑھا کر دیا۔ چنانچہ شرابِ عشق، ساقی و پیمانہ، ہجر ووصال، جمال و تجلی، ستم ہائے معشوق، آرزوئے وصال، خوگرِ جور و جفا کی روایتی داستانیں دبستانِ لکھنؤ کے شعراء کی طرح نجم ہری پوری کی غزلوں میں بھی موجود ہے۔ روایتی رنگ ملاحظہ ہو:

ہاں، شوق سے جفا تو کر اے خو گر جفا!
میری تو ہے سر شت کہ ہردم وفا کروں
تو لاکھ کہہ برا مجھے اور گالیاں بھی دے
میں وہ کہ تیری لے کے بلائیں دعا کروں

لکھنو اسکول کی لفظی صنعت گری ملاحظہ ہو:

تیرے کوچے میں جو اے قاتل ہجومِ عام ہے
آبِ خنجر کا ترے ہر ایک تشنہ کام ہے
قند و نبات بھی نہ کہیں منھ کو چوم لیں
کیا لطف مل رہا ہے تری گفتگو سے آج

صنعت پیکر تراشی دیکھی جائے:

بام پر مصروف نظّارہ کوئی ناوک فگن
خاک پر بسمِل تڑپتا کوئی زیربام ہے
سوزِ جگر سے جلتے ہیں ہم شمع کی طرح

اف رے ! کمالِ ضبط کہ لب پر فغاں نہیں

صوفیانہ رنگ اور حقیقتِ منتظر کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کا اصرار ملاحظہ ہو:

آنکھوں سے جلوہ اُن کا کسی دم نہاں نہیں
لیکن یہ طرفہ ماجرا صورت عیاں نہیں

اس خیال کا اظہار بار بار ہوا ہے جلوہ و تجلی کے لئے اصرار رب ارنی کے طور پر صوفیائے کرام کے ہاں پایا جاتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

خوب جی بھر کر انہیں بے پردہ اک دن دیکھ لوں
لوٹ پر یا رب کبھی ہاں دولتِ دیدار ہو
کاش انہیں آنکھوں کے بالکل سامنے دیکھا کروں
میرے ان کے درمیاں پردہ کوئی حائل نہ ہو

پھر یہ کہتے ہیں کہ جلوہ یا تجلی کا دیکھنا ممکن نہیں تو:

غیر ممکن جو دکھانا رخِ زیبا کی جھلک
کیا یہ ممکن نہیں آواز سنا دے مجھ کو

تھک ہار کر کہتے ہیں کہ دیدار نصیب نہیں تو پھر خاک میں مل جاؤں اور خاک بنا کر اڑا دیا جاؤں اور دل کی خواہش یہ ہے کہ درِ میخانہ بنوں لیکن جب خاک سے اٹھوں تو ساغر و پیمانہ بنوں:

کوئی صورت تو سہی میری تسلی کی ہو
خاکِ در ہی وہ بنا کر کے اڑا دے مجھ کو

خاک بننے کی تمنا کا اظہار دوسری جگہوں پر بھی ہوا ہے لیکن اس بردباری کے دیوانہ پن میں بڑی ہوشیاری پوشیدہ ہے۔ تمنا یہ ہے کہ خاکِ درِ میخانہ بنوں کہ ایک نہ ایک دن پیمانہ بن کر لبِ معشوق سے جا ملوں۔ یعنی جو چیز زندگی میں حاصل ہونا ممکن نہ تھا وہ مر کر اور خاک ہو کر حاصل ہو جائے، دوسرے شعراء کے ہاں بھی اس قبیل کے اشعار ملتے ہیں کہ زندگی میں معشوق کی قربت نصیب نہیں تو بعدِ مرگ خاک ہو کر سرِ راہ اس کے قدموں کو چوم لوں۔

جناب نجم کے کلام میں عارفانہ رنگ ملاحظہ ہو:

ہم ان کو ڈھونڈ لیں گے ہی گو بے نشاں ہیں وہ
موجود ہیں وہ بھیس بدل کر کہاں نہیں
دیر و حرم یہ دونوں ہیں دھوکے کی ٹٹیاں
دل کے سوائے اور کہیں ان کا مکاں نہیں

جناب نجم ہری پوری کے خیال میں جو دل عشقِ الٰہی اور حُبِّ رسولؐ سے خالی ہو انسانی دل نہیں، اس طرح عشق و محبت کا سلسلہ پوری انسانی خلقت سے جا ملتا ہے اسی طرح کی ایک باہمی کشش نے ساری کائنات کے سیاروں کو ایک دوسرے سے باندھ رکھا ہے۔ جس کا پتہ دنیا کے عظیم سائنسداں نیوٹن نے دیا ہے باہمی کشش کا فلسفہ بہت دور تک چلا جاتا ہے۔ جناب نجم کے اشعار ملاحظہ ہوں:

آدمی وہ کیا جو تجھ پر جان سے مائل نہ ہو
دل وہ کیا جو خنجرِ غم کا ترے گھائل نہ ہو

چوٹ جو کھائی ہے دل پر میں نے راہِ عشق میں
یا الٰہی حشر تک اس کا اثر زائل نہ ہو
اے دلِ دیوانہ تو ہے طالب صادق اگر
مانگ تو اُن سے انہی کو غیر کا سائل نہ ہو
بِسمِل کی طرح میں بھی دکھایا کروں تڑپ
یوں اے خدنگ عشق مجھے دل فگار کر

نجم ہری پوری عشقِ محبوب میں اس قدر سرشار ہیں کہ خنجرِ غم اور خدنگِ عشق سے دل فگار ہو کر محبوبِ حقیقی سے جا ملنے اور نثار ہو کر زندہ جاوید ہونے کی تمنا رکھتے ہیں:

مرمٹوں چاہ میں وہ ذوقِ فنا دے مجھ کو
لذتِ مرگ بصد زیست چکھا دے مجھ کو
گر مُسلّم ہے پسِ مرگ حیاتِ ابدی
زندہ جاوید بنا کر کے جلا دے مجھ کو

یہاں تک ان کی ابتدائی شاعری کا جائزہ تھا جس میں فارسی شاعری کی تقلید و پیروی اور روایتی لب لہجہ کا غلبہ ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور ان کے فکر و فن میں نمایاں تبدیلی آتی ہے چنانچہ انہوں نے ۱۳ر اکتوبر ۱۹۳۸ء میں اپنا تخلص رسؔوا کے بجائے نجم اختیار کیا۔ یہ ان کی زندگی کا ۳۷واں سال تھا اس کے بعد کوئی گیارہ سال چند مہینے زندہ رہ کر خونِ جگر پیتے رہے اور پرورشِ لوح و قلم کرتے رہے کاش کچھ اور عمر ملی ہوتی تو معلوم نہیں عروسِ شعر و سخن کی مشاطگی کر کے اردو شعر و ادب کو کس منزل تک پہنچا دیتے۔

آیئے اب ان کے دوسرے دور کی شاعری کا جائزہ لیا جائے۔

نجم ہری پوری کی ذہانت وادراک کا کمال ہے کہ غزلِ مسلسل اور غزل کی تخیلی اور موضوعاتی فضا کی بات ممتاز نقاد پروفیسر کلیم الدین احمد اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے بہت بعد میں کی لیکن نجم ہری کے یہاں غزلِ مسلسل کے نمونے گذشتہ صدی کی تیسری دہائی ہی میں ملتے ہیں مثال کے طور پر نجم ہری پوری کی یہ غزل ملاحظہ ہو جو بادی النظر میں ایک نظم کی طرح جڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے:

جان تن میں ہو تو دردِ یار کا آزار ہو
دل بھی پہلو میں غمِ دلدار کا بیمار ہو

جب تک اپنا دم رہے زخمی محبت کا رہوں
تیرِ الفت یا خدا یکدم جگر کے پار ہو

دیدۂ پُر نم تصور میں بنے مثلِ صدف
اشک کا قطرہ جو ٹپکے لولوِ شہوار ہو

ان کا اور میرا رہے یونہی بہم ناز و نیاز
وار پر ہو وار اُدھر سے اور اِدھر سے پیار ہو

خوب جی بھر کر انہیں بے پردہ اک دن دیکھ لوں
لوٹ پر یارب کبھی ہاں دولتِ دیدار ہو

شاہدِ مقصود سے ہو جائے ہمدوشی نصیب
یا الٰہی بختِ خوابیدہ مرا بیدار ہو

کاش رسوا روزِ محشر ہے جو رسوائی کا دن
ڈھانکنے والا مرے عیبوں کا وہ ستار ہو

ان کی شاعری میں ایک نیا موڑ اس وقت آیا جب ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند ادب کی تحریک کی بنیاد پڑی اور اس کا اثر دیر ہی سے سہی خطۂ پورنیہ تک پہنچا سرزمینِ پورنیہ کے نجم ہری پوری جیسے کچھ شعراء نے ہی اولاً یہ نیا رجحان قبول کیا جس میں سلیمانؔ پلاسمی اور مولانا عیسی فرتابؔ کے نام قابل ذکر ہیں لیکن ان حضرات کی شاعری میں مقصدیت اس حد تک نمایاں اور واضح نہیں جس حد تک نجم ہری پوری کے کلام میں سماجی، وطنی اور ملی مقصدیت اور افادیت واضح ہے۔ نجم ہری پوری نے ادب میں مقصدیت کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا ان کی مشہور نظم شاعر کا پیغام شعراء کے نام ان کے مقصدی ادب کے رجحان کی آئینہ دار ہے یہ نظم نئے ادب کے منشور (مینی فیسٹو) جیسی ہے اگر ترقی پسند ادب کو اشتراکیت کا پابند نہیں سمجھا جائے تو یہ نظم ترقی پسند ادب کا ایک منشور ہے۔ اس کے بعد انہوں نے بے شمار افادی اور مقصدی موضوعات پر نظمیں لکھیں اس دور کی تمام نظمیں نئے رجحانات ومیلانات اور مقصدیت سے لبریز اور علامہ اقبالؔ کی شاعری جیسی اسلامی رنگ سے معمور ہیں۔ اس طرح کے ادب وشاعری کو ہم اسلامی ترقی پسند ادب کا بھی نام دے سکتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی کی عکاسی اور اس کے مسائل کے حل کے لئے غور وفکر کرنا ان کی شاعری کا اصل موضوع تھا۔

گذشتہ صفحات میں نجم ہری پوری کی غزل گوئی کا مختصر جائزہ لیا جاچکا ہے۔ اب ان کی نظم نگاری کے متعلق کچھ گفتگو ہو۔ واضح رہے کہ نجم ہری پوری بنیادی طور پر نظم

نگاری کے شاعر ہیں۔انھوں نے اس میدان اپنے تما ہم عصروں بشمول جناب مولوی سلیمانؔ و مولانا عیسٰی فرتابؔ کو پیچھے چھوڑا ہے وفاؔ ملک پوری مرحوم نے غزل گوئی کے علاوہ کچھ منقبت اور مراثی لکھے ہیں شمسؔ بمن گرامی کا دور نجم ہری پوری کے بعد آتا ہے۔

نجم ہری پوری مرحوم نے زیادہ تر نظمیں اسلامی موضوعات پر لکھی ہیں اس کے علاوہ انھوں نے قومی، اخلاقی اور سماجی مسائل کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔نجم ہری پوری کی ذہانت و مطالعہ کا کمال یہ ہے کہ ملک کے بالکل کنارے دامنِ ہمالہ میں بستے ہوئے اور حدودِ ضلع سے کبھی باہر قدم نہ رکھنے کے باوجود انھوں نے علامہ اقبال کا اسلامی اندازِ بیان دورِ اقبال ہی میں اپنا لیا تھا۔جنھیں واضح طور پر کلامِ نجم میں دیکھا جاسکتا ہے۔یہ نجم ہری پوری کی خداداد صلاحیت،عبقری ذہانت اور وسیع مطالعہ ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ مقصدی رجحانات جو مولانا حالی اور علامہ شبلی نعمانی سے لے کر علامہ اقبال تک پھر ترقی پسند ادب کی تحریک تک اردو ادب پر حاوی رہے نجم ہری پوری کی نظموں میں مذکورہ بالا بزرگوں کے رنگ و آہنگ کا عکس واضح طور پر نظر آتا ہے۔

اس موقع پر علامہ اقبال مرحوم کی مشہور نظم ''طلوعِ اسلام'' کے چند اشعار کی یاد تازہ کرنا چاہتا ہوں:

گذر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا
مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہوجا

نجم ہری پوری کی ایک نظم کا عنوان ہے ''نوجوانانِ وطن سے خطاب'' اس نظم کے چند اشعار یہاں پیش کرتا ہوں علامہ اقبال کے رنگ و آہنگ ملاحظہ فرمائیں:

اگر بننا ہے غالب صفدرِ خیبر شکن ہوجا
جوابِ زور میں رستم نہیں، رستم فگن ہوجا
دمِ آرام ہے تو گل بدن گو بسترِ گل پر
جو وقتِ رنج و محنت ہو تو بس فولاد تن ہوجا
ابھی پرواز کے دن ہیں پرِ پرواز پیدا کر
فضائے جہد میں اڑکر کے پروین و پرن ہوجا
بہار آئے گی البتہ ترے باغِ ارادت میں
تو پائے استقامت کو لئے سروِ چمن ہو جا

اسی طرح اقبالی رنگ و آہنگ جناب نجم ہری پوری کی بہت سی نظموں میں ہے جن کے الگ الگ اقتباسات کو یہاں پیش کرنا اور ان کا تنقیدی جائزہ لینا باعثِ طوالت ہوگا۔ علامہ اقبال کی نظم ''خضرِ راہ'' جس میں ڈرامائی عنصر اور مکالمہ کا اسلوب و انداز پایا جاتا ہے۔ یہاں پہلے بند کے اشعار نقل کئے جا رہے ہیں:

ساحلِ دریا پہ میں اک رات تھا محوِ نظر
گوشۂ دل میں چھپائے اک جہانِ اضطراب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیکِ جہاں پیما خضر
جس کی پیری میں ہے مانندِ سحر رنگِ شباب

کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویائے اسرارِ ازل!
چشمِ دل وا ہو تو ہے تقدیرِ عالم بے حجاب

چنانچہ انجم ہری پوری کی نظم ''نزالا غمگین'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ایک دن جو جانبِ صحرا ہوا میرا گذر
دامنِ صحرا میں اک خوشرو جواں آیا نظر
اس کی رخشندہ جبیں سے نورِ حق تھا جلوہ گر
عارضِ تاباں تھے اس کے یا کہ تھے شمس و قمر
رنگ وروپ اس کا کہوں کیا جان و من بر وے فدا
تھا سراپا حسن اور خوبی کے سانچے میں ڈھلا
میں نے پوچھا تو فرشتہ ہے کہ جن ہے یا بشر
کون ہے کچھ تو بتا بھی اے مرے نورِ نظر!
رنج کیا پہنچا تمہیں، ہے کس لئے خستہ جگر
کیوں یہاں تنہا پڑا ہے خانماں کو چھوڑ کر
کہتے ہیں اسلام جس کو میں وہی اسلام ہوں
نام کو تھا فخر جس پر میں وہ اہلِ نام ہوں
اب و لیکن پائمالِ گردشِ ایام ہوں
جس پہ ناکامی بھی چار آنسو ہے وہ ناکام ہوں
حق کا اک پیارا دلارا بندۂ معصوم ہوں

بندگانِ حق کے ہاتھوں سے مگر مظلوم ہوں
چاہنے والے مرے سب غیر کے شیدا ہوئے
پاؤں سے ٹھکرا کے مجھ کو مجھ سے برگشتہ ہوئے

یہ صحیح ہے کہ نظم خضرِ راہ کا کینوس بڑا ہے اس میں اسرارِ ازل کی بات ہے۔محنت ،مزدور،زندگی،سلطنت،سرمایہ اور دنیائے اسلام سے بحث کی گئی ہے اور جناب نجم ہری پوری کی نظم میں صرف اسلام اور مسلمانوں کے موضوع کو بیان کیا گیا ہے۔نجم ہری پوری نے مذکورہ بالا نظم میں مذہبِ اسلام کو ایک پیکریت عطا کی ہے۔نظم کے ابتدائی اشعار میں منظر کشی ہے پھر مکالمہ کے ذریعہ اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔نظم کے آخر میں بڑا ہی فنکارانہ انداز اور زورِ بیاں کے ذریعہ المناک انجام کو پرتاثیر بنا دیا ہے۔نظم کے اختتام تک پہنچ کر قاری ایک دردناک کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔نظم میں ڈرامائی عنصر،مکالمہ،نظم کی ابتدا میں فضابندی اور جورنگ وآہنگ ملتے ہیں۔وہ ان کے علاقائی ہم عصروں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔

ان کی ایک مختصر نظم جس کا عنوان ہے''یوں نماز اپنی ادا ہونے لگے''جس کا موضوع اراکانِ نماز ہے یہ نظم بہت مختصر ہے۔تمام ارکانِ نماز کو بڑی صفائی اور روانی کے ساتھ بہت ہی پرتاثیر انداز میں شاعری کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔اس نظم کو پڑھ کر قاری کے ذہن وقلب پر ایک خاص قسم کی روحانی پاکیزگی اور خداترسی کی کیفیت

طاری ہو جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں:

یا الٰہی جب نماز اپنی ادا ہونے لگے
دل مرا ہر رکن میں تجھ پر فدا ہونے لگے

ہاتھ جب تکبیر تحریمہ میں کانوں تک اٹھیں
روح سے اللہ اکبر کی صدا ہونے لگے

جب زباں مصروف ہو اپنی، تری تحمید میں
ہر بُنِ مو سے تری حمد و ثنا ہونے لگے

جھکتے ہی سر، دل بھی جھک جائے مرا وقتِ رکوع
مرمٹوں سجدے میں دم اپنا فنا ہونے لگے

سامنے تیرے کھڑے ہونے کو میں سمجھوں قیام
دھیان میں تیرے قعود اپنا ادا ہونے لگے

بندۂ رسوا ترا پھیلائے جب دستِ دعا
دل میں رونا آنکھ میں آنسو دعا ہونے لگے

یہاں جب مذہبی رنگِ کلام کی بات آ گئی ہے تو اس مجموعہ کی ابتداء میں شامل ایک حمد اور نعت کا ذکر کرنا مناسب ہوگا ۔ مذکورہ بالا حمد و نعت میں نجم ہری پوری کی طبیعت کی جولانی اور رواں دواں اظہارِ خیال کی کامیاب مثال ہے ۔ چند اشعار حمد

باری تعالیٰ کے ملاحظہ فرمائیں:

الٰہی ہم سب ہیں مخلوق تو خالق ہمارا ہے
تو ہی ہے صانعِ کل اور تو ہی عالم آرا ہے
ہمیں انساں بنا کر تو نے پھر عقل و خرد بخشی
ہمیں پھر ساری مخلوقات میں اشرف پکارا ہے
ہدایت کو ہماری ہادیِ ختم الرسل بھیجا
مکمل ایک دستور العمل قرآں اتارا ہے

ایک نعت ''دربارِ رسالت مآبؐ میں'' کے زیرِ عنوان ہے اس میں بھی روانی اور اثر انگیزی بدرجہ اتم موجود ہے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

جان سے خوش تر نبیؐ جی ہے محبت آپؐ کی
دین اور ایمان کا مظہر ہے الفت آپؐ کی
حسنِ ربانی کا جلوہ، ہے جو صورت آپؐ کی
خلقِ رحمانی کا بھی پر تو ہے سیرت آپؐ کی
آپؐ کو خالق نے اپنا لا ڈلا پیدا کیا
جوڑ دی توحید سے اپنی، رسالت آپؐ کی
یا شفیعَ المذنبین میرے گناہ بخشوایئے
عاصیوں ہی کے لئے تو، ہے شفاعت آپؐ کی

اس مضمون کے آخر میں جناب نجم ہری پوری کی دو نظمیں پیش کر رہا ہوں

دونوں کا پسِ منظر ایک المناک حادثہ ہے۔ یہ دونوں نظمیں اوراسی طرح کی ان کی کچھ اور نظمیں ہیں جن میں وفورِ جذبات اور دل کی دھڑکنوں کی گونج سنائی دیتی ہیں ان میں نہ کوئی مقصدیت ہے اور نہ کوئی ازم یہ اس طرح کی ادبی تخلیقات ہیں جن کی وکالت اکثر پروفیسر کلیم الدین احمد کرتے رہے ہیں۔ فنکار عموماً سریع الحس، حساس اور خوددار ہوتے ہیں۔ مزاج اور شخصیت کا یہی عنصر ایک فنکار کو عام آدمی سے ممیّز کرتا ہے۔ جناب نجم ہری پوری بھی انتہائی حساس اور خوددار شخصیت کے مالک تھے۔ ایک گاؤں میں کسی رئیس کے ہاں بچوں کو پڑھانے پر مامور تھے۔ رئیس زادہ پڑھنے لکھنے میں کسی قدر غبی تھے۔ مالکِ خانہ کو خواہ مخواہ یہ بدگمانی پیدا ہوگئی کہ استاذ کی توجہ ان کے بچوں پر کم ہے۔ اسی بات پر ایک شام مالکِ خانہ اور جناب نجم ہری پوری میں کچھ بحث وتکرار ہوگئی۔ اور مالک خانہ نے نجم صاحب کو وہ باتیں کہہ دیں جن کا انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔ معلوم نہیں وہ رات بھر سو بھی سکے یا نہیں صبح ہوتے ہی یہ اشعار صفحۂ قرطاس پر آ گئے۔ بعد نمازِ فجر جناب نجم نے وہاں کے ایک ذمہ دار شخص کو ایک لفافہ سپرد کرتے ہوئے یہ تاکید کی کہ اسے مالکِ خانہ کو دے دیا جائے اور خود وہاں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے۔ لفافے میں مندرجہ ذیل دونوں نظمیں تھیں۔ اشعار والفاظ سے دردِ دل کا اندازہ کیجئے:

شکستہ دل کی آواز

کیا ہنسوں بولوں کسی سے دل میں پیدا درد ہے
ہر نفس ہر سانس اپنا اک اک آہِ سرد ہے

آہ! میں کیوں کر کہوں، دل کس طرح رنجور ہے
شیشہ اک پتھر سے ٹکرا کرکے چکنا چور ہے
اُف رے اُف! صدمات کا دریا ہے کیسا جوش پر
لہر بن کر لخت دل آنکھوں میں آتے ہیں اتر
لوگ کہتے ہیں کہ سو کعبہ سے بھی بہتر ہے دل
دنیا اور دنیا کی ساری چیز سے خوش تر ہے دل
توڑ کر دل کو کوئی اخلاق سے باہر نہ ہو
خانۂ کعبہ کو ڈھا کر یک بیک کافر نہ ہو

گنگناہٹ

اللہ اللہ، کیا یہ میری خوبیِ تقدیر ہے
باعثِ تخریبِ قسمت میری ہر تدبیر ہے
سامنے موجود الٹی خواب کی تعبیر ہے
حرفِ مایوسی ہر اک اُمّید کی تفسیر ہے
موردِ صدطعن ہو کر شوخیِ تحریر ہے
مرکزِ صدعیب بن کر چستیِ تقریر ہے
معنیِ تذلیل لے کر صورتِ توقیر ہے
جس پہ سو تضحیک صدقے ہیں مری تصویر ہے

شکریہ اس قدر دانی کا ہو کن الفاظ میں
جانفشانی پر بھی عاید نجمؔ پر تقصیر ہے

دونوں نظموں کی مضمحل ومحزون فضا بہ آسانی محسوس کی جاسکتی ہے۔خاص کر ان اشعار کی دردانگیزی اور یاسیت ملاحظہ ہو:

آہ! میں کیوں کر کہوں،دل کس طرح رنجور ہے
شیشہ اک پتھر سے ٹکرا کر کے چکنا چور ہے
اُف رے اُف! صدمات کا دریا ہے کیسا جوش پر
لہر بن کر لختِ دل آنکھوں میں آتے ہیں اتر
معنیِ تذلیل لے کر صورتِ توقیر ہے
جس پہ سو تضحیک صدقے ہیں مری تصویر ہے

ان اشعار میں ان کی قادرالکلامی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اشعار پڑھنے کے بعد زمین دار کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔اس وقت تک جناب نجم ہری پوری کی عزتِ نفس انہیں زمین دار کی گرفت سے کافی دور لے جاچکی تھی۔

اس مضمون میں میں نے اپنے ذوق ومعلومات کی روشنی میں جناب نجم ہری پوری کے اردو کلام کا ایک سرسری جائزہ لیا ہے۔اب یہ مجموعۂ کلام اربابِ نقد ونظر کے سامنے ہے۔اس کے خوب وزشت کا اندازہ لگانا ان کا کام ہے لیکن انصاف اور دیانت داری کی بات یہی ہے کہ پورنیہ ضلع کے حدود سے کبھی باہر قدم نہ رکھنے والے یہ فنکار

کس طرح کی خداداد ذہانت وصلاحیت کے مالک اور تلمیذ الرحمٰن کے مصداق تھے کہ اس قدر متنوع اور کثیر الجہات موضوعات پر ہمیشہ قلم بر داشتہ لکھتے رہتے موضوع اور موقع سامنے آیا تازہ حقہ کی کش لگائی دوزانو بیٹھے شہادت کی انگلی پر انگوٹھے کو گھماتے رہتے بس اشعار کی آمد شروع ہو جاتی اور اسے ضبطِ تحریر میں لاتے رہتے۔ الغرض شب وروز جناب نجم اپنے گردوپیش میں رونما ہونے والے واقعات وحادثات کا دیگر حساس وبیدار مغز مفکر وفنکار کی طرح مختلف زاویے سے تجزیہ کرتے اور اپنے تجربات ومشاہدات کو شعری پیکر میں ڈھالتے رہتے تھے۔ عزیز گرامی مولانا محمد رضوان ندوی نے اس مجموعہ میں ان کی اکثر اہم نظموں کو شامل کر دیا ہے، جس کے مطالعہ سے اس وقت کا ماحول اور فنکار کی اصل شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ بات پہلے بھی بتائی جا چکی ہے کہ جناب نجم کسی مدرسہ، دار العلوم یا اسکول و کالج کے فارغ التحصیل نہیں تھے۔ اور نہ ہی پورنیہ ضلع سے باہر قدم رکھنے کا انہیں کبھی موقع ملا تھا۔ قدیم طریق تعلیم کی پیداوار ہوتے ہوئے بھی انہوں نے مقصدی اور تعمیری ادب کی راہ دکھائی۔ اس اعتبار سے وہ شمالی بہار میں بلبلِ گلشنِ نا آفریدہ ہی تھے۔ جناب نجم ہری پوری کی نظم نگاری پورنیہ کی تاریخِ ادب میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ قدیم پورنیہ کی تاریخ ادب کا کوئی مورخ نجم ہری پوری کی نظم نگاری کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ نجم ہری پوری وہ وہ فنکار ہیں جنھوں دامنِ ہمالہ کے اس خطہ میں

اردو شاعری کے ترقی پسندانہ رجحانات پر سب سے پہلے لبیک کہا ہے اور مقصدی اور افادی شاعری سے اردو کے دامن کو مالا مال کر دیا ہے۔ان کی شاعری گرد و پیش کے عصری حالات کی آئینہ دار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان کے جدید موضوعات کے اظہار و بیان میں بھی ان کے کلاسیکی رنگ و آہنگ کا عکس نظر آتا ہے۔

پیتہ نہیں یہ مضمون لکھ کر میں جناب نجم ہری پوری مرحوم کے استادانہ احسانات کا حق کس حد تک ادا کر سکا ہوں۔ استادِ محترم نے ۱۹۴۵ء میں راقم الحروف کے حق میں یہ دعا کی تھی:

ہو تمہاری روز افزوں فارسی، اردو کی خیر
نجم کی شہرت کا باعث شمس کا بازار بھی

ممکن ہے راقم الحروف کے ذیل کے شعر میں کچھ تجلی بھی ہو جو مندرجہ بالا شعر کے تحرک کے نتیجے میں موزوں ہوا ہے:

شمس کے حق میں دعائے نجم کی تاثیر دیکھ
کل تلک جو خواب تھا اس کی یہ تعبیر دیکھ

قاضی نجم الدین ہری پوری
اقبال کی فکری روایت کے امین

حقانی القاسمی

قاضی نجم الدین نجم ہری پوری کا شماران شاعروں میں ممکن ہے جنہیں اپنی شناخت کے لیے کسی 'اور' ثبوت کی ضرورت نہیں۔ یہ اور بات کہ اردو زبان وادب کے کارکنانِ قضاوقدر نے ایسے بہت سے شاعروں کے نصیب میں گمنامی لکھ دی ہے، ورنہ معاملہ تو یوں ہے کہ اپنی تخلیقی فکر اور احساس کی قوت کے اعتبار سے یہ ان 'اوروں' سے بہت ممتاز ہیں جن پر آسمانِ شہرت کے ستارے مہربان ہیں۔

قاضی نجم وہبی شاعر ہیں۔ان کے اشعار مطبوع ہیں، متکلف نہیں اور ان کی تخلیق عمودِ شعری کے عین مطابق ہے۔وہ اس شاعری سے بالکل مختلف ہے جو انتحال ،ادخال ،اغارہ، موارده، مرافده، اجتلاب، استلحاق، اصطراف، اهتدام، التقاط اور تلفیق سے عبارت ہوتی ہے۔ویسے عبدالفتاح قلیطو کے بقول ''تمام شاعری اصولاً کسی نہ کسی معنی میں حوالہ پذیر (Allusive) ہوتی ہے۔(سرقہ اور طبع زاد۔شب خون الہ آباد، شمارہ:۲۶۹)

نجم ہری پوری کے احساس واظہار میں فطری پن اور سادگی ہے ۔ فطرت (Nature) سے ان کا مضبوط ذہنی وجذباتی رشتہ ہے اور حیات وکائنات کے مدوجزر سے آگہی نے ان کے تخلیقی اظہار کو تنوع بھی عطا کیا ہے۔

نجم کی تخلیقی اذان الگ ہے۔ان کے ہاں نہ فلسفیانہ موشگافی ہے، نہ نظریاتی پیچیدگی۔وہ کسی گروہ، جماعت یا نظریہ کے طرفدار نہیں، وہ نظریے کی جبریت سے مکمل طور پر آزاد ہیں اور الوہی روشنی میں اپنی تخلیقی مسافت طے کرتے ہیں۔ان کا تعلق شعر وادب کے اس قافلہ سے ہے جس کی منزل واضح ہے، مبہم نہیں۔جو نہ 'وادی تیہ' میں بھٹک رہا ہے، نہ صحراؤں میں سرگرداں ہے۔اس قافلہ کو اپنی منزل مقصود اور غایت الغایات کی خبر ہے اور وہ منزل ہے وحدتِ انسانیت اور شرفِ آدمیت کی۔اسی لیے ان کی شاعری میں آنکھوں کو انسان بنانے کی کوشش نمایاں ہے۔خواجہ الطاف حسین حالؔی کی طرح انہوں نے بھی ملتِ اسلامیہ اور ہیئتِ اجتماعیہ کے لیے ایک لائحۂ عمل ترتیب دیا ہے۔علامہ اقبال کی طرح نجم ہری پوری بھی مومن کو جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کے پیکر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ان کی نظموں کے عنوانات اور احساسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کی بنیاد قرآن کی normative teachnings پر ہے اور ان کی شاعری کا مقصد عظمتِ رفتہ کی بازیافت ہے۔ان کی بیشتر نظموں میں ان کی ملی حمیت، دردمندی نمایاں ہے۔وہ مسلمانوں کو اپنے ماضی سے رشتہ جوڑ کر اپنا مستقبل سنوارنے کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں۔مسلمانوں کی غیرت وحمیت کو للکارتے ہوئے شاندار ماضی کی داستان دہراتے ہوئے کہتے ہیں:

ذرا ماضی کو اپنے یاد میں لاؤ مسلمانو!
ابھی تم ہوگئے کیا؟ حال کو بھی اپنے پہچانو
کبھی تھا ایک دن وہ بھی کہ تم ہی وہ مسلماں تھے

جو برو بحر میں فرمانرواے دین وایماں تھے
تمہارا ہی پھریرا اڑ رہا تھا بامِ گردوں میں
تمہارا ہی تو ڈنکا بج رہا تھا دشت، ہاموں میں
تم ہی تو ڈال کر گھوڑوں کو دریا پار اترتے تھے
اجل سے جان جی پر کھیل کر تم ہی تو لڑتے تھے
تمہارے نام سے روئے زمیں سارا دہلتا تھا
مثال موم پتھر کا کلیجہ بھی پگھلتا تھا

اور پھر اس صورت اور کیفیت کی تقلیب کا منظر بھی دیکھئے:

صداقت اور دیانت کا نہیں کچھ بھی نشاں تم میں
مگر ہاں افترا و کذب ہیں کافی عیاں تم میں
کہاں اسلام باقی ،اب کفر و شرک نازاں ہیں
درندہ بن کے ہر اک تیز ناخن تیز دنداں ہیں
شترہاں، فیلباں اب بن کے تم گمنامِ عالم ہو
اڑے جاتے ہو اب پھونکوں میں وہ اولادِ آدم ہو

یہ ان کی شاعری کا اصلی رنگ ہے۔ان کی شاعری کا محور ومطاف افادیت اور مقصدیت ہے ۔انہوں نے اپنی شاعری کو تفریحِ طبع یا تفنن کا نہیں بلکہ سوئی ہوئی کائنات اور خوابیدہ ملت کو جگانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ان کا بنیادی مقصد ملتِ اسلامیہ کی رگِ حمیت کو چھیڑنا اور خوابِ خرگوش سے جگانا ہے تاکہ جو نکبت وادبار مسلمانوں کا مقدر

ہے،اس سے مسلمانوں کونجات ملے اور پھر وہی روشن ایام لوٹ آئیں جوقرنِ اول میں مسلمانوں کو میسر تھے۔

قاضی نجم ہری پوری کے ہاں سوزِ رومی بھی ہے،رسمِ شبیری بھی،قلندری بھی ہے، درویشی بھی۔وہ نظموں میں جرأت وشہامت (audacity) کی شمع جلاتے ہیں۔کہہ سکتے ہیں کہ ان کی شاعری بھی 'بانگ درا' اور 'ہدایۃ المسلم الی تطبیق حیاۃ اسلامیہ' ہے۔انہی کا شعر ہے:

شعر میں اقبالؔ کا انداز پیدا کیجئے
دہر میں بانگ درا پھر اک ہو یدا کیجئے

اقبال سے نجم کی ذہنی اور فکری مناسبت نے ان کی فکر واحساس کے سارے باب روشن کر دیے ہیں۔ان کے ذہنی نظام،شعری اسلوب اور طریق فکر کی تفہیم کے لیے بس ایک حوالہ کافی ہے۔ان کا تعلق بھی اقبال کے School of thought سے ہے اور ان ہی کی طرح ان کی شاعری کا مقصد بھی پیغامِ بیداری ہے:

تجھے اغیار پر غلبہ نہ حاصل ہو، یہ کیا معنی
ذرا ماضی کا اپنے حال میں عنوان پیدا کر
ترے ایمان اور اسلام پر ادبار چھایا ہے
چل اٹھ، سر سے ہٹا نے کا اسے سامان پیدا کر

ان اشعار میں اقبال کی فکر، آہنگ اور جذبہ موجزن ہے۔اقبال کا سا سوزِ دروں ہے اور دروں بینی بھی۔اقبال کی طرح انہیں بھی ملت کی زبوں حالی زار زار کرتی ہے،اس لیے جوش وحمیت کو آواز دیتے ہوئے وہ نوجوانانِ وطن کو یوں للکارتے ہیں اور

یہ چاہتے ہیں کہ ان کے اندر بھی اسلاف جیسی Spirit اور Spunk پیدا ہو جائے:

اگر بننا ہے غالب ، صفدرِ خیبر شکن ہوجا
جوابِ زور میں رستم نہیں، رستم فگن ہوجا
تو محو خواب ہے جاگ اٹھ، ترے سر پر غنیم آیا
کمالِ مصطفیٰ بن کرکے ، قربان وطن ہوجا
ابھی پرواز کے دن ہیں ،پرِ پرواز پیدا کر
فضائے جہد میں اڑکر کے ،پروین وپرن ہوجا

طغیانی وجولانی سے معمور جس طرح نجم ہری پوری نے نظمیں کہی ہیں ،اسی طرح ان کا غزلیہ آہنگ بھی نرالا ہے۔ان کی غزلوں میں بھی رنگ کلاسیکیت کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فکر میں رعنائی اور احساس میں تازگی اور تحیر ہے۔ beauteous expression کے ذیل میں ان چند اشعار کا شمار بآسانی کیا جاسکتا ہے:

قند و بنات بھی نہ کہیں منہ کو چوم لیں
کیا لطف مل رہا ہے تری گفتگو سے آج
دلگیر سارہا ہوں میں کچھ رنگِ رو سے آج
کیا آنکھیں لڑگئی ہیں کسی ماہ رو سے آج
لگ گئیں آنکھیں مری یاد میں روتے روتے
دیکھنا کوئی نہ بھولے سے جگا دے مجھ کو

چوٹ جو کھائی ہے دل پر میں نے راہِ عشق میں
یا الٰہی حشر تک اس کا اثر زائل نہ ہو
مجھ سے وہ برکنار، رقیبوں سے ہم بغل
کہیے نہ کیوں میں موت کی پھر التجا کروں
دنیا و دین میں مرے قاتل کی خیر ہو
یہ ہاتھ اٹھا اٹھا کے خدا سے دعا کروں
ہاں شوق سے جفا تو کر، اے خوگرِ جفا
میری تو ہے سرشت، کہ ہردم وفا کروں

ان اشعار میں احساس کی نزاکت بھی ہے، خیال کی لطافت بھی۔ ہر شعر میں ایک کیفیت، لذت اور سرور و نشاط ہے۔

قاضی نجم ہری پوری فارسی شاعری کے دائمی حسن اور سحر سے آگاہ تھے۔ اس لیے ان کی شاعری میں غزلیہ رمزیت اور ایمائیت کے ساتھ وہ ساری کیفیات دروں روشن ہیں، جن سے غزلوں میں جادو کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

قاضی نجم ہری پوری کا تعلق بھاگ طاہر (ہری پور)، تھانہ امور، ضلع پورنیہ (بہار) سے ہے۔ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۵/اپریل ۱۹۴۹ء میں انتقال ہوا۔ علمی خانوادہ سے رشتہ تھا۔ ان کے دادا قاضی منشی مدد علی اور والد قاضی منشی مہتاب الدین احمد بھی شاعر تھے۔ ان کی کتاب ''یادِ رفتگاں'' ایک عمدہ ادبی دستاویز ہے۔

مختصر تاثرات

پروفیسر طارقؔ جمیلی

سابق صدر شعبۂ اردو، پورنیہ کالج، پورنیہ

عزیز مکرم مولوی محمد رضوان ندویؔ عربی اور فارسی میں عالم و فاضل کے علاوہ ایم ۔اے، بی۔ایڈ تک کی تعلیم اول سے آخر تک درجۂ اول میں مکمل کی، محمد رضوان ندویؔ کو بچپن ہی سے علمی وادبی ماحول نصیب ہوالہذا ان میں علم وادب کا کافی ستھرا ذوق وشوق رچا بسا ہے۔انہیں اپنے خاندان کے گراں قدر ادبی سرمایہ کومنظرِ عام پر لانے کی خواہش رہی۔اپنی لگن اور محنت سے انہوں نے تدوین کا کام شروع کیا۔اوراپنے دادا مرحوم قاضی جلال الدین جلالؔ ہری پوری اوراپنے جدِّ امجد مرحوم قاضی نجم ہری پوری کی تخلیقات کو زیورِ طباعت واشاعت سے آراستہ کیا۔اوران قیمتی ادبی سرمایوں کومحفوظ کرکے پورنیہ ضلع کے ان اساتذہ کے کلام کو دیمک کی نذر ہونے سے بچالیا اہلِ پورنیہ اس باصلاحیت نوجوان کے ہمیشہ شکر گذار ہوں گے۔

قاضی نجم ہری پوری (امور پورنیہ) کے قادرالکلام شاعر اور صاحبِ طرز انشاء پرداز تھے۔ان کا اردو وفارسی کلام ان کی استادانہ صلاحیت کا آئینہ دار ہے، ان کی تصنیفات شعری ونثری دونوں محاسن سے مزین ہیں۔محمد رضوان ندویؔ نے بھی نجم ہری پوری کی تخلیقات کونہایت سلیقے سے ترتیب دیا ہے۔اس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نجم ہری پوری کے ان تاب دار اور آبدار کلام کا منظرِ عام پرآکر ہمیشہ کے لئے ادبی دنیا میں محفوظ ہوجانا کتنا ضروری تھا۔

مختصر تاثرات

پروفیسر شمس تبریز خاں
شعبۂ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

قاضی نجم ہری پوری کے کلام میں ڈاکٹر علامہ اقبال کے اثرات نمایاں طور سے نظر آتے ہیں اور جگہ جگہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے افکار و خیالات سے نجم صاحب بہت متأثر ہوئے ہیں۔ اور اپنے کلام میں انہوں نے پاکیزہ خیالات و محسوسات اور صالح وصحت مند اور تعمیری اقدار و افکار کی اچھی ترجمانی کی ہے۔ اور ملی مسائل و موضوعات کو شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ ان کی غزلوں کی تعداد کم ہے مگر ان میں اچھے اور پاکیزہ افکار و خیالات پیش کئے گئے ہیں۔ غزلوں کے علاوہ ان کی بعض نظموں میں بھی بعض اہم موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان کی اچھی نظمیں ان عنوانات کے تحت ہیں پیغامِ عمل، نوجوانانِ وطن سے خطاب ، ہندوستانی مسلمان، شاعر کا پیغام شعراء کے نام، مسلمانوں کا ماضی و حال، نرالا غمگین، کلامِ نجم ہری پوری اپنے موضوعات اپنے افکار و خیالات اپنے جذبات و محسوسات کی اہمیت کے لحاظ سے لائق مطالعہ ہے۔ شمالی مشرقی بہار کے شعراء میں جناب نجم ہری پوری ایک اچھے شاعر کا امتیاز رکھتے ہیں۔ اور ان کا کلام ایک خاص کیفیت کا حامل ہے۔ زبان و بیان میں سادگی و شگفتگی اور بے تکلفی ہے جس سے قارئین متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ارمغانِ قاضی نجم ہری پوری کے مرتب مولانا محمد رضوان ندوی مستحقِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے بہار کے دور افتادہ ضلع پورنیہ کے اس قیمتی ادبی سرمایہ کی حفاظت واشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔

قاضی نجم الدین ہری پوری کی فارسی شاعری۔ایک مطالعہ

ڈاکٹر سید احسن الظفر
سابق ریڈر شعبۂ فارسی، لکھنؤ یونیورسٹی

قاضی نجم الدین ہری پوری متخلص بہ رسؔوا و نجم کے فارسی کلام کے مطالعہ کا اتفاق ہوا، یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ پورنیہ ضلع جیسے پسماندہ اور مرکزِ علم و ادب سے دور افتادہ علاقے میں ایسا پاکیزہ ذوق اور سلیم الطبع شاعر بھی پیدا ہو سکتا ہے۔جس کا کلام حافؔظ و سعدؔی کے کلام جیسی سلاست و روانی اور حلاوت و شیرینی کا حامل ہے اور جس سے قاری متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔

حسنِ اتفاق سے اسی خاندان کے ایک ہونہار چشم و چراغ مولانا محمد رضوان ندوؔی صاحب کو اپنے مایہ ناز جدِّ امجد کے کلام کی جمع و تدوین اور نشر و اشاعت کرنے اور ناظرین کرام کے سامنے پیش کرنے کی توفیق ہوئی۔انہوں نے راقم السطور سے اپنے جدِّ امجد کے فارسی کلام پر ایک تبصرہ کی فرمائش کی، دیگر مصروفیات کی وجہ سے اگر چہ اس کا موقع نہ تھا مگر جب ایک دو غزلیں پڑھیں تو شوق دامن گیر ہوا۔اس کی سلاست وحلاوت نے مجھے بہت متاثر کیا۔پھر پورے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کیا یہ مضمون درحقیقت حاصل مطالعہ ہے۔

قاضی نجم الدین رسؔوا وہ رسؔوا نہیں ہیں جنھوں نے علم و دانش کے مرکز لکھنؤ میں رہ کر مشہور ناول ''امراؤ جان ادا'' لکھ کر اردو شعر و ادب کے میدان میں اپنا سکہ جمایا اور

مظفر علی نے اس کو ایک پیکر کا روپ دے کر زندہ شاہکار بنا دیا۔
یہ رسوؔا اردو فارسی کے ایسے دولسانی شاعر میں جو علم و دانش کے بڑے بڑے مراکز لکھنؤ، دہلی، پٹنہ اور حیدر آباد وغیرہ سے انتہائی دور افتادہ دیہات میں غیر معمولی شاعرانہ صلاحیت ولیاقت لے کر پیدا ہوئے۔ ان کے فطری ذوق اور شاعرانہ صلاحیت کو ان کے مطالعہ وتحقیق اور درس وتدریس نے مزید جلا بخشی اور دونوں زبانوں میں نہایت کامیاب شاعری کی، علم و دانش کے مذکورہ بالا اہم مراکز میں اگر وہ پیدا ہوتے تو لوگ ان کے کلام کو ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ رسوؔا نے اگر چہ اپنے فارسی کلام میں کسی شاعر سے اثر پذیری کا تذکرہ نہیں کیا ہے، لیکن کلام کا انداز واسلوب واضح کرتا ہے کہ فارسی شاعری کے ستونِ اربعہ خصوصاً سعدیؔ وحافظؔ پر ان کی گہری نظر تھی۔ انہوں نے اساتذہ کے کلام کی حلاوت وشیرینی اور سلاست وروانی اپنے کلام میں بھی پیدا کرنے کی غیر معمولی کوششیں کی ہے جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ اردو کے ایک شعر میں تو انہوں نے صراحت کے ساتھ حافظؔ وسعدیؔ کا نام بھی لیا ہے:

خطۂ بآرا نہ کیوں کر روکشِ شیراز ہو
سعدیؔ وحافظؔ کی زندہ یادگار آنے کو ہے

اپنے کلام کی دل کشی اور دل آویزی کا احساس تو انہیں بھی تھا کہتے ہیں:

در تحیر ماند چون دیدند این اشعارِ ما
اہلِ ایران یک طرف ہم اہلِ توران یک طرف

اہلِ ایران واہلِ توران نے جب میرا کلام دیکھا تو حیرت واستعجاب کا عالم ان

پر طاری ہوگیا اور نہ صرف ایرانی وتورانی شعراء بلکہ خود ہندوستانی شعراء بھی انگشت بدنداں رہ گئے:

چہ جای حیرت شعرای ہندستان و پارستان
عطارد ہم ز من انگشتِ حیرت در دہان دارد

انہوں نے اپنی غزل گوئی کی بابت اگر یہ کہا ہے کہ بلبل کی طرح زبانِ شوق اور صدائے دلکش لے کر گلستانِ سخن میں غزل خواں داخل ہوا ہوں تو غلط نہیں کہا ہے:

ہمچو بلبل بازبانِ شوق و آوازِ بدیع
در گلستانِ سخن رسوا غزل خوان آمدہ

ان کی درج ذیل غزل اس کی شاہدِ عدل ہے

تا کی بہ پردہ شاہدِ پردہ نشینِ ما
بگذار و شاد کن دلِ اندوہ گینِ ما
بی روی تو ز مدتی در رنج بودہ ایم
یک لحظہ باش گر نہ بسی ہم قرینِ ما
بہرِ تسلیِ دلِ محزونِ ما ببین
نامِ تو کندہ است چہ خوش در نگینِ ما
در قعرِ فسق و خندقِ اکراہ چون فتم
یادِ تو روز و شب بود حبل المتینِ ما
کس نیست چونتو در جہان حاجت روای ما

آمد بذکرِ تو ہمین صدق الیقینِ ما
درآرزوی بہرۂ غفران بگر یہ ایم
ایکہ با آستانِ تو باشد جبینِ ما
تو پیشِ ما بہ سجدہ ات باشیم و ہمچنین
گردد تمام کاشکی روزِ پسینِ ما
رسؔوا بدرگہہِ تو آورد این التجا
لطفی بکن بحالتِ خستہ ترینِ ما

اپنی شاعری خصوصاً غزل گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے رسؔوا کہتے ہیں کہ اگر چہ میری شاعری کی رفتار دھیمی ہے یعنی بسیار گو نہیں ہوں تاہم جو کچھ کہتا ہوں اپنے ذوق کی بٹھی میں تپا کر کہتا ہوں:

سخن آہستہ می گویم مگر پروردہ می گویم
نہ ہمچون قالِ آن زاغی کہ نازِ طوطیان دارد

میری سبک روحی جب برجِ معنی سے پرواز کرتی ہے تو مکانِ لامکاں کو اپنی قرارگاہ بناتی ہے:

سبک روحی من از برجِ معنی چون کند طیری
قرار و خواب گاہِ خود مکانِ لا مکان دارد

اپنی خوش گوئی اور خوش قلمی کا انہیں اس قدر احساس تھا کہ کہتے ہیں:

بخوش گوئی و خوش قلمی بکام خلق افتادم
زبان و دستِ من اندر جہان فیضِ روان دارد

میری خوش گوئی اور خوش قلمی کا لوگوں میں عام طور سے چرچا ہے۔میری زبان اور ہاتھ دو جہاں میں فیضِ رواں کا حکم رکھتے ہیں:

اپنے صریرِ خامہ کو صورِ اسرافیل سے تشبیہہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

صریرِ خامہ ام رسوؔا مگر صورِ اسرافیل ست
کہ وقتِ نفخ کلکِ ہر دبیر اسقاطِ جان دارد

میرا صریرِ قلم شاید صورِ اسرافیل کا حکم رکھتا ہے کہ جب وہ کالبدِ شعر میں صور پھونکتا ہے تو ادیبوں اور شاعروں کی جان نکل جاتی ہے۔ان خصوصیات کے باوصف اور تمام شاعرانہ شہرت کے باوجود خود کو گمنام رکھنا پسند کرتے ہیں:

ازین شیوہ بشہرت رفت نامم لیک نقشِ من
چو عنقا خویش را مخفی ز چشمِ مردمان دارد

رسوؔا کی غزلوں میں عاشقانہ جذبات وواردات کی شدت،سوز وگداز،خودسپردگی وو ارفتگی اور وجد آفرینی کی ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں چنانچہ کہتے ہیں:

گر بدیدِ دفترم رسوؔا کسی درد آورد
نیست عجبی کز ہمہ درد آمدہ اشعارِ ما

میرے دیوان کے اشعار کا مطالعہ کر کے اگر کسی کے اندر دردِ عشق کی کیفیت پیدا ہو تو حیرت کی بات نہیں ہے۔کیونکہ میرے کلام میں اسی دردو غمِ عشق کا بیان ہے۔

عشق ومحبت کے علاوہ وصل وفراق، بادہ و مئے ،زاہد وناصح، جگ بیتی وآپ بیتی ،مناجات ،حمد ونعت تقریباً یہ سب موضوعات ملتے ہیں اور ان اشعار میں کہیں بھی

آورد وتکلف کا احساس نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک وارفتگی اوربیخودی کا عالم دل ودماغ پر طاری ہوجاتا ہے۔ اکثر اشعار کو پڑھتے ہوئے عجیب کیف وسرور کا عالم پیدا ہوگیا عشق کے رنگ رنگ کرشمے، اس کے نت نئے انداز اور عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی تک رسائی غرض ان تمام چیزوں کا بیان ملاحظہ ہوں:

تا جناب عشق فرمودہ کرم بر حال ما

دیدہ گوہرہا بہ تاراجی فشاند عام را

عشق نے جب سے مجھ پر کرم فرمائی کی ہے آنکھیں عموماً گوہرافشانی کرتی ہیں:

ہر زمان رسؔوا بعشقش شادباش

بندۂ عشقش گہی ناشاد نیست

رسؔوا اس کے عشق میں سدا خوش وخرم رہ اس لئے کہ عشق کی غلامی میں کبھی کوئی غمگین نہیں ہوتا ہے:

رازدانِ عشق را نطق و بیانی دیگر ست

قصہ خوانِ فسق را قول و زبانی دیگرست

عشق کے راز داں کا اندازِ بیاں اور ہوتا ہے، فسق وفجور کے قصہ خوانوں کا اندازِ بیاں اور ہوتا ہے:

درجہان مردانِ خاصانِ حریمِ عشق را

بر خلافِ وہم عامان عزوشانی دیگر ست

عام خیال کے برخلاف دنیا میں حریمِ عشق کے مخصوص لوگوں کی شان وشوکت

اور ہوتی ہے:

گاہ میرد گاہ گردد زندہ مردِ عشق باز
عشق بازان را مگر ہان جسم و جانی دیگر ست
من بہ کوی عشق گردم روز وشب رسوا و لیک
مردمان را در پیم ظن و گمانی دیگر ست
ہر کہ غیرِ عشق می بازد بشطرنجِ زمان
دیدہ و دانستہ او بیشک بکامِ اژدرست
مردبی عشقیکہ باشد در جہان ہیچ ہست ہیچ
ار بدارد نزدِ خود گنجِ گران ہیچ ہست ہیچ

عشق کی ان کارفرمائیوں اور کارگذاریوں کے ساتھ محبوب کی جدائی میں عاشق پر کیا گذرتی ہے ملاحظہ ہو:

خاطرم بی روی جانان ہست نالان یک طرف
چشم گریان یک طرف ہم سینہ بریان یک طرف

محبوب کے رخ کے بغیر اگر ایک طرف میرا دل نالاں و چشم گریاں ہے تو دوسری جانب سینہ بریاں ہے:

شکوۂ بیدردی دلبر کند با خندہا
دردِ پنہان یک طرف ہم رنجِ حرمان یک طرف

محبوب کی بیدردی کا شکوہ کوئی کہاں تک کرے اگر ایک طرف دردِ پنہاں ہے تو دوسری جانب رنج وحرماں ہے:

بی روی تو ز مدتی در رنج بودہ ایم
یک لحظہ باش گرنہ بسی ہم قرینِ ما

تیرے مکھڑے کے دیدار کے بغیر مدت سے رنج وغم میں گرفتار ہوں

عیش وعشرت درجہان بی یار ا ی دل! تلخ ہست

محبوب کے بغیر دنیا میں سارا عیش وآرام تلخ ہے اس کی وجہ سے عاشق ناخوش وناشاد رہتا ہے:

خود درونِ پردہ و بیرون فتادہ شورہا
فتنہا برپا کند از پردہ حسنِ یار ما

خود تو پردہ کے اندر بیٹھا ہے اور باہر شور وغوغا برپا ہے۔ ہمارا محبوب حسن کے پردہ میں بیٹھے فتنہ برپا کر رہا ہے:

ماہِ من تا کی ز محرومی بنالم زار زار
کامیابی دہ برای حق این ناکام را

اے محبوب کب تک تجھ سے محرومی میں آہ ونالہ کرتا رہوں حق کی خاطر اس ناکام کو کامیابی سے ہمکنار کر:

نقدِ دل از دست بردادم بسودای حسین
لیک در دستم نہ غیر از یاس و حرمان آمدہ

سودائے حسن کے عوض نقد دل ہاتھ سے دے بیٹھا ہوں لیکن یاس و حرمان کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا لیکن اس محرومی اور ناکامی کے باوجود وہ محبوب کے تصور میں خوش وخرم رہتا ہے اور غمِ دنیا سے آزاد رہتا ہے:

باخیالِ یار ما را شاد باید زیستن
و ز غمِ دنیا دون آزاد باید زیستن
قُمری آسا ہر زمان گو گو زنم با شوقہا
از ہما روزی کہ من سروِ خرامان دیدہ ام

جس دن سے اس سروِ خراماں محبوب کو دیکھا ہے عالمِ شوق میں قمری کی طرح ہر وقت گو گو کرتا رہتا ہوں:

از تعشق جسمِ رسؔوا چون فلک آمد بچرخ
داغہای خاطرش ہر یک درخشان اختر ست

رسؔوا کا جسم عشق کی بدولت آسمان کو چھوڑ رہا ہے اس کے داغِ دل میں ستارہ اور اختر کی چمک ہے:

عاشقانہ جذبات وواردات کے ساتھ ساتھ وصل وہجر کا مضمون بھی ایک طرح سے چولی دامن کا ساتھ رکھتا ہے۔ تقریباً تمام شعراء نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

عاشق کا کل سرمایہ اگر محبوب کا عشق ہے تو اس کے وصل کی آرزو اور فراق کا

اندیشہ سدا اس کا پیچھا کئے رہتا ہے رسوؔا کہتے ہیں:

رو بگرداند ز من با وعدۂ وصل آن نگار
شرم می دارد مگر از شنعتِ کردار ما

وصل کے وعدہ سے محبوب مکر جاتا ہے میری شنعتِ کردار سے شاید اس کو شرم آتی ہے:

آہ! در ہجرِ تو از بسکہ درونم ریش ست
مرہمی نِہہ کہ دگر جز تو کسی نیست طبیب

افسوس کہ تیری جدائی میں میرا دل انتہائی زخمی ہوگیا ہے اس پر مرہم رکھ کیونکہ تیرے سوا کوئی میرا طبیب نہیں ہے:

مرگ را خوشتر نماید در شبِ تارِ فراق
یاس وحرمان یک طرف ہم داغِ ہجران یک طرف

جدائی کی تاریک رات میں اگر موت آجائے تو بہتر ہے ایک طرف محرومی کا قلق ہے تو دوسری طرف جدائی کا داغ:

درفراقِ جانِ جان رسوؔا بدارد روز و شب
شور افغان یک طرف ہم آہِ سوزان یک طرف
من چہ گویم خنجرِ فرقت بہ دل چون چاک زد
بہرِ شرحِ چاکِ دل چاکِ گریبان آمدہ

اسی طرح ناصح سے عاشق کی چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ بھی قائم رہتا ہے:

ناصحا! از پند بگذر دور کن تشنیع را
مرغ زیرک بودہ بگزیدم مسلسل دام را

اے ناصح پند و نصیحت اور طعن و تشنیع کا سلسلہ بند کرو میں چالاک پرندہ ہوں اس لئے ان کے تارِ دام میں گرفتار رہنا مجھے پسند ہے۔

رسؔوا کے خالص عاشقانہ جذبات و احساسات کی یہ مختصر روداد ادھوری رہ جائے گی اگر ہم محبوب کے مختلف اعضاء کی توصیف میں جو تشبیہات و استعارات اور کنایات انہوں نے استعمال کئے ہیں اس پر ایک نظر نہ ڈالیں۔ ان کی غزلیں اس موضوع پر بڑی دلکش ہیں۔ لعلِ خنداں، تیغ ابر، تیرِ مژگاں، خمِ گیسو، زلفِ پیچاں، ماہِ تاباں، مہرِ درخشاں، سلکِ گوہر، دستِ رقصاں، پائے کوباں وغیرہ تراکیب کے ذریعہ کس خوبصورتی سے محبوب کے مختلف اعضاء کو تشبیہہ دی ہے اور حسین پیرائے میں اس کی تصویر کشی کی ہے:

ساخت روشن دیدہ را رخسارِ تابان یک طرف
برقِ دندان یک طرف ہم لعلِ خندان یک طرف
جان و دل را خستہ کرد و صبر ہوشم را بکشت
تیغِ ابرو یک طرف ہم تیرِ مژگان یک طرف
مرغِ دل را یک بیک اَز دانۂ پابند کرد
خمِ گیسو یک طرف ہم زلفِ پیچان یک طرف
ماہِ من از پردہ بیرون گشت و گردیدہ خجل

ماہِ تابان یک طرف مہرِ درخشان یک طرف

از لب و دندانِ یارِ نازنین بی آب ہست

سلکِ گوہر یک طرف ہم رنگِ مرجان یک طرف

در جلوی یار ہر سو می دوم دیوانہ وار

دستِ رقصان یک طرف ہم پای کوبان یک طرف

در تحیر ماند چون دیدن این اشعارِ ما

اہلِ ایران یک طرف ہم اہلِ توران یک طرف

ای خوشا از کلکِ رسواؔ بر سمن گلہا دمید

لالہ نرگس یک طرف نسرین و ریحان یک طرف

المجاز قنطرة الحقیقة کے حسب اقتضیٰ رسواؔ عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کی طرف منتقل ہوتے نظر آتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں:

ماہِ من تا کی ز محرومی بنالم زار زار

کامیابی دہ برای حق این ناکام را

اے محبوب تیرے وصل سے محرومی میں کب تلک آہ وزاری کرتا رہوں۔اس نامرادکوحق کی خاطر ہدایت دے کر کامیابی سے ہم کنار کردے۔

بارگاہ الٰہی میں مناجات کے طور پر جوغزلیں رسواؔ نے کہی ہیں وہ ہمارے دعویٰ

کی توثیق کرتی ہیں:

در قعرِ فسق و خندقِ اکراہ چون فتم
یادِ تو روز و شب بود حبل المتینِ ما

فسق وفجور اور نا فرمانی اور عدولِ حکمی کی خندق میں کیوں کر گروں گا جبکہ تیری
یاد رات اور دن میرے حق میں حبل المتین ہے:

کس نیست چون تو درجہان حاجت روای ما
آمد بذکر تو ہمین صدق الیقینِ ما

دنیا میں تیرے سوا جب کوئی میرا حاجت روا نہیں ہے تو تیرا ذکر ہمارے حق میں
صدق الیقین ہے:

در آرزوی و بہرۂ غفران بگر یہ ایم
ایکہ با آستانِ تو باشد جبینِ ما

اے وہ ہستی کہ تیرے آستانے پر میری پیشانی ٹکی ہے۔ تیری مغفرت اور بخشش
کی آرزو میں میں محوِ گریہ ہوں:

رسؔوا بدر گہہِ تو این آورد التجا
لطفی بکن بحالتِ خستہ ترینِ ما

رسؔوا تیرے دربار میں اس درخواست کے ساتھ حاضر ہے کہ ہماری حالت خستہ

وزار پر نظرِ کرم فرما:

یا غیاثَ المستغیثین الغیاث
در تبا ہی ہست مسکین الغیاث
دزد بہرِ نقدِ ایمان درکمین
بس ہراسانیم و غمگین الغیاث
دشمنم از ہر رہ و رو می زند
سنگ بر جام بلورین الغیاث
من برفتار او زپس پایم کشد
چیست بد این رسم و آئین الغیاث
ہر دو دستم ہست پیش تو دراز
زار می نالم بہ آمین الغیاث
ہرنفس رسؔوا بدارد نعرہا
یاغیاثَ المستغیثیں الغیاث

خدا سے اس الحاح وزاری کے ساتھ درخواست کے پردے میں درحقیت رسؔوا کا عشق پوشیدہ ہے۔پھر عشقِ الٰہی کی لذت کے ساتھ وہ معرفت اور خصوصاً وحدت الشہود کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو عام طور سے صوفی شاعروں کا طرۂ امتیاز ہے:

رہروانِ معرفت را عشقِ جانان رہبرست
شوقِ دل در گردِش دایم کمندِ دلبرست

خدا شناسی کی راہ پر چلنے والوں کے لئے عشق جاناں رہبری کا فرض انجام دیتا ہے شوقِ دل اس کی گردن میں معشوق کا کمند ڈالے دیتا ہے۔ خود شناسی کی راہ پر چلتے ہوئے ان کو ہر طرف خدا کا جلوہ یا خدا کی قدرت کا جلوہ نظر آتا ہے:

چہ خوش بختم کہ ہر سو جلوۂ دلدار می بینم
بہ ہر چیزی کہ درنگرم جمالِ یار می بینم

میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ ہر طرف مجھے محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے جس چیز پر نظر پڑتی ہے اس میں جمالِ یار نظر آتا ہے۔ یہ پوری غزل بہت عمدہ ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پندارم ہمی یارِ عزیزم در خرام آمد
چو گاہی تدروی در دامنِ کہسار می بینم

بیادِ روح افزایش بہر جای کہ می باشیم
چہ آبادی چہ ویرانہ گل و گلزار می بینم

بحیثیکہ شوم پوینده در میدانِ ادراکش
زمین و آسمان را صورتِ پرکار می بینم

ازان روزی کہ من در بحرِ الفت غوطہا خوردم
بسی در دامنِ خود گوہرِ شہوار می بینم

چو باشد گوہرِ مقصود را اکنون بچنگ آرم
کہ ناگہہ آسمان را بر سرِ پیکار می بینم

دہد رگہای من آوازِ حق حق ہر نفس بیرون
ربابِ عنصری را در سرودِ یار می بینم

ان کنتم تحبو ن الله فاتبعونی کے حسب اقتضیٰ رسوا عشق خدا سے عشق رسول کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور جناب سرورِ کائناتؐ سے اپنے والہانہ محبت کا اظہار اس رقت آمیز اور وجد آفریں انداز میں کرتے ہیں کہ قاری پر عجیب کیف وسرور کا عالم طاری ہو جاتا ہے :

یا رسول اللہ بنالش آمدہ مہجورِ تو
شرحِ دردِ دل کند با گریہا رنجورِ تو
مرغِ دل از خنجرِ شوق ست ہان بسمل صفت
بہرِ آنکہ جلوہ بیند از رخِ پُر نورِ تو
آرزو دارم بصدجان ای کہ روزی یا شبی
تو مرا پیشِ نظر باشی و من منظورِ تو
خستۂ تیرِ غمت را غیر ازین مقصود نیست
کو بیابد مر ہمی از عنبر و کافور تو
گر سزاوارِ غلامیت نیم خوان درسگی
درحضور پاک تو این گریۂ مہجورِ تو
ہان نگاہِ مرحمت فرما تو ای رشکِ مسیح
از تو بہرِ مرضِ خود جوید دوا رنجورِ تو

خانۂ رسوا بماند تا بکی ظلمت کده
کاشکی سازد منور لمعۂ پُر نورِ تو

ایک نعت ملاحظہ فرمائیں

دل شیفتۂ چہرۂ و ابروی محمدؐ
جان بستۂ زنجیرۂ گیسوی محمدؐ
در گلشنِ تکوین چو خدا کرد نظاره
شد بلبل شیدای گل روی محمدؐ
بر بدر نمایان مگر این طرفہ ہلالی
یا قوس و قزح یا خمِ ابروی محمدؐ
از بہر جہان نیست چو پیچیده کمندی
یا دام ایا حلقۂ گیسوی محمدؐ
شد سروِ خرامندۂ در باغِ رسالت
واللہ چہ خوش قامتِ دلجوی محمدؐ
ماطمعِ ارم با تو نداریم ای رضوان
مارا ارمی ہست ہمی کوی محمدؐ
رسوا تنِ من گرچہ بہ پرواز نیاید
ہر لحظہ پرد جان و دلم سوی محمدؐ

قاضی نجم الدین رسواہری پوری اوران کا فارسی کلام

ڈاکٹر عبدالحلیم اخگر

ریڈر شعبۂ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

ہندوستان میں فارسی زبان وادب کا رواج محمود غزنوی کی آمد کے ساتھ وقوع پذیر ہوتا ہے، جس کا پہلا مرکز لاہور بنا۔ دہلی میں قطب الدین ایبک کی حکومت کے ساتھ فارسی زبان نے اپنی ارتقائی منزلیں طے کرنا شروع کی اوراسی کے ساتھ ہی ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں بھی فارسی کا رواج ہونے لگااوراسے فروغ دینے کے اعتبار سے مختلف مراکز سامنے آئے، جہاں فارسی زبان وادب نے نہ صرف یہ کہ ترقی کی بلکہ ادب کا ایک نہایت ہی خطیر ذخیرہ، محبانِ فارسی کے لئے بطور یادگار چھوڑا ہے جس کی پاسداری کا ذمہ بھی اب انہیں کے سر ہے۔ انہیں مراکز میں ایک مرکز قدیم ضلع پورنیہ بھی ابھر کر سامنے آیا۔ واضح رہے کہ قدیم ضلع پورنیہ موجودہ دور میں چار ضلعوں میں تقسیم ہو چکا ہے یعنی موجودہ ضلع پورنیہ، کٹیہار، کشن گنج اورارریا جس کا تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے نہ صرف یہ کہ نہایت ہی شاندار ماضی رہا ہے بلکہ عہدِ وسطی سے لے کر زمانۂ حال تک علم وادب پروری کے میدان میں جوخدمات ساکنین ضلع نے انجام دی ہیں وہ قابلِ رشک وصد تحسین ہیں۔ ملک محمد بختیار خلجی نے جب مشترکہ صوبۂ بہار کوتسخیر کیا تو اسلام کی برکتوں کے ساتھ ساتھ فارسی نے بھی اپنے قدم مضبوطی کے ساتھ جمانے شروع کر دئے، وجہ چاہے جو بھی رہی ہو مگر حقیقت یہی ہے کہ فارسی کا استعمال مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ہونے لگا اوراسی کے ساتھ فارسی دانی اورسخن فہمی کا چلن بھی عام ہوا۔ درباروں، دفتروں، تعلیمی اداروں مدرسوں

اور خانقاہوں میں فارسی برگ و بار لائی جس میں صوفیائے کرام نے ایک خاص کردار ادا کیا۔ نتیجتاً عظیم آباد نے ایک اسکول کی حیثیت سے اپنی شناخت بنائی، جس میں شمالی بہار اور بنگال کا ایک بڑا خطہ شامل ہے۔ قدیم پورنیہ بھی مضافاتِ عظیم آباد میں شامل بہار کا ایک ایسا ہی مردم خیز علاقہ ہے جہاں علم و ادب کے شناور اور درہائے آبدار ملتے ہیں۔ یہاں کے قصبات اور گاؤں میں بھی علم و دانش اور صاحبِ دل سخنوروں کی بڑی تعداد خاموشی کے ساتھ زبان و ادب کی خدمت کرتی رہی ہے اور اسے فروغ دینے کے لئے ادبی محفلیں سجائی جاتی رہی ہیں۔ ایسا ہی ایک گاؤں 'ہری پور' ہے جہاں فارسی زبان و ادب کی خدمت کرنے والے خاصی تعداد میں موجود رہے ہیں۔ خصوصاً شعر و شاعری کا رواج ادب کی روح ہونے کی بنا پر یہاں بھی اہلِ سخن حضرات کی کوئی کمی نہیں رہی جن پر پورنیہ ہی کو نہیں بلکہ تمام فارسی دانانِ ہند کو ناز کرنے کا پورا اختیار ہے۔ اس گاؤں کی سرزمین کو بڑے بڑے مشاہیرِ فن کو جنم دینے کا شرف حاصل رہا ہے، مثلاً مؤلف ''احسن التواریخ'' عالم دین مولانا محمد یوسف رشیدی ہری پوری، نثارِ بے مثل قاضی مدد علی ہری پوری، اردو و فارسی کے ممتاز و قادر الکلام شاعر قاضی جلال الدین جلالؔ ہری پوری اور خود قاضی نجم الدین رسواؔ ہری پوری اور ان کے والد قاضی منشی مہتاب الدین احمد اور بھائی قاضی منشی عبدالرحیم مرحوم وغیرہ ان مشاہیرِ علم و فضل اور عبقریت الزمان شخصیات میں سے ہیں جن کو علم و ادب کے شیدائی کبھی اپنی یادوں سے محو نہیں ہونے دیں گے۔

بہر کیف سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے ساتھ فارسی زبان و ادب بھی رو بہ زوال ہوا اور مقتضیاتِ زمان کی حیثیت سے بتدریج اس کی جگہ اسی آب و تاب کے ساتھ جب اردو

زبان نے حاصل کرلی تو فارسی کے دیگر مراکز کی طرح مضافاتِ پورنیہ کے ادیبوں اور شاعروں نے بھی اردو کے ساتھ فارسی زبان وادب میں اپنا مشقِ سخن جاری رکھا اور اپنے قلم کی جولانیاں اور تیز کر دیں، اس طرح ۲۰ ویں صدی کے نصفِ اول تک فارسی ادب کا اچھا خاصا ذخیرہ سامنے آیا۔ ۱۹ ویں اور ۲۰ ویں صدی کا دور وہ دور ہے، جب بہار میں فارسی کے ادباء وشعراء اپنی میراث کو بچانے کی جد وجہد میں سرگرداں نظر آتے ہیں، یہاں تک کہ ۲۰ ویں صدی کے آخر میں بھی جمیل مظہری جیسے نامور شاعر دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ قدیم ضلع پورنیہ کے جن پاسدارانِ فارسی زبان وادب نے تحفظِ میراث کی اس جد وجہد میں سرگرم حصہ لیا ان اربابِ فضل وکمال میں قاضی منشی مدد علی کا خانوادہ سرِفہرست ہے۔ اس خانوادہ میں کئی پشتوں سے علم وادب کا چرچا رہا ہے۔ چنانچہ قاضی نجم الدین رسواؔ ہری پوری (۱۹۰۱۔۱۹۴۹ء) جو اردو اور فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر ہیں اور کئی کتابوں کے مؤلف بھی، اپنے والد قاضی منشی مہتاب الدین احمد کی علم دانی کا ذکر ایک مشہورِ زمانہ نثار کی حیثیت سے کرتے ہوئے اپنی کتاب ''یادِ رفتگان'' میں لکھتے ہیں کہ:

''مہتاب صحیح معنے میں مہتاب تھے آپ کی فارسی تحریر ابوالفضلؔ اور فیضیؔ کی یاد تازہ کر دیتی ہے''

علمی گھرانے کے اس دولسانی شاعر وادیب نے دونوں زبانوں میں اشعار کا ایک خطیر ذخیرہ اپنی یادگار چھوڑا ہے، جس کو ان ہی کے پرپوتے جناب مولانا محمد رضوان ندویؔ نے ترتیب دی ہے اور اسے منظرِ عام پر لانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ بہر کیف، انیسویں صدی کے اواخر تک تقریباً فارسی زبان وادب سے آشنائی رکھنے والے کمیاب ہی نہیں، بلکہ مفقود ہوتے ہوئے

نظر آتے ہیں۔ بیسویں صدی میں اگر علامہ اقبال کی ذات کو الگ کر دیا جائے تو فارسی کا کوئی بڑا شاعر نظر نہیں آتا اور شاید یہ بات فطرتاً درست بھی ہے کہ جس زبان کے جاننے والے ہی نہ ہوں اس زبان میں شعر وادب کی تخلیق بے سود و بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے باوجود جہاں جہاں بھی فارسی کی مضبوط روایت رہی ہے، وہاں کے علماء و فضلاء اور اربابِ کمال نے اس نیشدار حقیقت کے ادراک کے باوجود اپنی اس پر شکوہ اور عظیم روایت کی پاسداری کو اپنا نصب العین سمجھا اور نہ صرف یہ کہ اسے قایم و دایم رکھا، بلکہ خلوص نیت سے اس کلاسیکی روایت کی آبیاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں اٹھا رکھا۔ اس ضمن میں اپنے دل کے احساس و عواطف کو شعری جامہ پہناتے رہے اور اسے فروغ دینے کے لئے ادبی محافل اور نوازش و کرم کا سلسلہ جاری رکھا۔

اسی روایت کے پاسداروں میں ایک اہم درخشاں نام قاضی نجم الدین نجمؔ و رسواؔ ہری پوری کا ہے جو اردو کے مشہور و معروف شاعر ہیں اور اپنے دلی تسکین اور اجداد کی روایت کو برقرار رکھنے کے لئے فارسی میں نہ فقط یہ کہ انہوں نے شاعری کی بلکہ ایک مکمل دیوان فارسی دانوں کو تحفتاً پیش کیا جسے فارسی کی سنتی شاعری کا بہترین نمونہ اور اہم شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ ان کا کلام سبک ہندی کی گنجلک اور دشوار گذار پیچیدگیوں سے مبرہ ہے۔ دہلی اور لاہور سے دور ہونے کے باوجود بھی قاضی نجم الدین رسواؔ ہری پوری ایک طرف جہاں سبک خراسانی کے دلدادہ نظر آتے ہیں وہیں ان کے کلام میں سعدیؔ اور حافظؔ کے کلام جیسا سوز و گداز، سلاست و روانی بھی پائی جاتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کا کلام سعدیؔ اور حافظؔ کے کلام کا ہم پلہ ہے بلکہ فارسی شاعری کے

تیسری صف کے ان شعراء میں سے ہے جنھوں نے حافؔظ کے کلام کی کامیاب پیروی کی ہے۔ان باکمال وممتاز شعراء میں رسؔوا کا نام یوں بھی سرِ فہرست لیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حافؔظ کی زمین میں کثیر التعداد نہایت ہی خوبصورت اور کامیاب غزلیں کہیں ہیں، بطور مثال حافؔظ کا مطلع ہے:

صبح دولت می دمد کو جام ہمچون آفتاب
فرصتی زین بہ کجا باشد بدہ جامِ شراب (۴)

اسی زمین میں رسؔوا کا مطلع اس طرح ملتا ہے:

ای ز تاب روی تو گردید تابان آفتاب
بر جبین داغ غلامی از تو دارد ماہتاب (۵)

مندرجہ بالا مطلعوں میں حافؔظ نے آفتاب کے ساتھ شراب کا قافیہ استعمال کیا ہے اور آفتاب کو شراب کے پیالے سے تشبیہ دی ہے۔گو کہ حافؔظ کے مطلع سے رسؔوا کے مطلع کی مناسبت مکروہات میں سے ہے، اس کے باوجود رسؔوا کے مطلع میں آفتاب و ماہتاب کے قافئے استعمال کئے گئے ہیں جن میں صنعتِ تضاد کا حسن جلوہ فرما ہے۔حافؔظ کا آفتاب صبح کے وقت برآمد ہوتا ہوا ایسا سورج ہے جس میں نہ تمازت ہوتی ہے اور نہ تیز روشنی ہی، اس کی سرخی شراب کی سرخی کی یاد دلاتی ہے جبکہ رسؔوا کا آفتاب چمکتا ہوا ایک روشن آفتاب اس بنا پر ہے کہ اس کی روشنی محبوب کے چہرے کے نور سے مستعار ہے۔دوسرے مصرع میں ایک بہت پرانی روایت بطور تلمیح استعمال کی گئی ہے جس میں غلاموں کی پہچان کے لئے ان کے ماتھے پر ایک داغ دیا جاتا تھا، کیوں کہ ماہتاب کی چمک آفتاب کی دمک کی وجہ سے ہے، گویا

وہ اس کا مکلّف و غلام ہے۔

رسؔوا نے جہاں ایران کے مشہور شاعروں کی پیروی میں غزلیں کہیں ہے وہیں مغلوں کے آخری دور کے مشہور شاعر جن کے اثرات غالبؔ اور اقبالؔ جیسے نامور شاعروں نے بھی قبول کئے ہیں، کا تتبع کیا ہے اوران کی زمین میں بھی شاعری کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ یہ پیروی بھی سبک ہندی کی پیچیدگیوں سے آزاد ہے۔ میرزا عبدالقادر بیدلؔ عظیم آبادی کا مقطع ہے:

زندگی در گردنم افتاد بیدلؔ چارہ نیست
شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن (۶)

جبکہ اسی زمین میں رسؔوا کا مطلع حسب ذیل ہے:

با خیالِ یار ما را شاد باید زیستن
وزغم دنیای دون آزاد باید زیستن

بیدلؔ کے عظیم مقام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جن کو غالبؔ 'بحر بیکراں' اور علامہ اقبالؔ 'مرشد کامل' جیسے تکریمی القاب سے یاد کرتے ہیں، کے بارے میں بحث کرنا بے سود اور تلف اوقات کے علاوہ اور کچھ نہیں، البتہ رسؔوا کا یہ کمال قابلِ تحسین ہے کہ باوجود اس امر کے کہ اس نے ایک پرانے خیال کو ہی موزوں کیا مگر اس میں ایک نیا نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ اب تک یہ سبھی کہتے آئے ہیں کہ ہم محبوب کے خیال میں گم ہو کر خوش رہتے ہیں، لیکن رسؔوا نے اس خوشی کے طفیل میں تمام غموں سے آزاد ہونے کی بات کہی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں اپنے محبوب کے خیال میں اس طرح محو اور خوش رہتا ہوں کہ اس دنیائے دوں کے تمام غموں

سے آزاد ہو گیا ہوں ۔ یہاں شادی وغم میں صنعتِ تضاد کا حسن پیدا ہو گیا ہے اور دنیا کو ایک برا ٹھکانا کہا گیا ہے۔

درحقیقت رسؔوا ہری پوری طبعیتاً صوفی شاعر ہیں ، لہذا ان کے کلام میں عرفانی رموز کا ہونا لازمی اور یقینی امر ہے۔لہذا مندرجہ بالا شعر میں بھی انبساط کا پہلو پوشیدہ ہے جو صوفیائے کرام کے نزدیک راہِ سلوک میں اعلیٰ مقام پر فائز صوفی ہی کہہ سکتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل کا ہر شعر انسانیت وانسان دوستی ، اخلاقِ حمیدہ ، انکساری و بردباری ، فقر وغنا ، قناعت وصبر ، آزادی ، علم وعمل اور عشق ومحبت جیسی خصوصیتوں سے لبریز ہے ، ۔ یہ کلاسیکی شاعری کی روایت کی وہ اعلیٰ خصوصیتیں ہیں جو فارسی کے ممتاز صوفی شاعروں کے یہاں بکثرت دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ مثلاً عشق ومحبت کے ضمن میں چند مثالیں بطور نمونہ پیش ہیں :

حافؔظ ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما (۸)

مولانا رومؔ شاد باش ای عشق خوش سودای ما
ای طبیب جملہ علت ہای ما(۹)

رسؔوا نے اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ان دونوں بڑے شاعروں کی پیروی اس طرح کی ہے :

ہر زمان رسوا بعشقش شاد باد
بندۂ عشقش گہی ناشاد نیست (۱۰)

رسؔوا کے مندرجہ بالا شعر پر مولانا رومی کے اثرات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں

یہاں تک کہ عشق کے ساتھ ''شاد باش'' کا استعمال مشترک ہے اور رومی کے دوسرے مصرع ''ای طبیب جملہ علت ھای ما'' کے مفہوم کو ''بندۂ عشقش گہی ناشاد نیست'' کے مضمون سے بخوبی ادا کیا گیا ہے، کیوں کہ اگر تمام بیماریوں کا علاج ہوسکتا ہے تو انسان ناشاد کیوں کر رہ سکتا ہے۔ لہذا وہ ہمیشہ خوش وخرم ہی رہے گا جو عشق کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے اسی لیے رسؔوا کی ہر غزل کے کسی نہ کسی شعر میں لفظ ''عشق'' اور عشق سے متعلق لوازمات موجود ہیں۔ اسی طرح قناعت و رضا کے باب میں جو صوفی منش ہونے کا بین ثبوت ہے، رسؔوا اپنے فقر و فاقہ میں مست، قناعت کا دامن تھامے بڑی حد تک بیدؔل کی قناعت پسندی کے قریب نظر آتے ہیں۔

بیدؔل عظیم آبادی کا یہ شعر:

بیدؔل ۔ دنیا اگر دہند نجنبم ز جای خویش
من بستہ ام حنای قناعت بپای خویش (۱۱)

رسؔوا ۔ لب خندہ میاور بر من مسکین کہ فقرِ من
بہ کجکولِ گدائی تاجِ شاہانِ کیان دارد (۱۲)

عرفانی شاعروں نے مذہب و ملت کی بندشوں کی پروا کیے بغیر ہر قوم و ملت کو آپسی بھائی چارے کا پیغام دیا ہے۔ یہی پیغام انسانی عالمی برادری کے لیے اخوت واتحاد کا سرچشمہ رہا ہے۔ اگر ہم آج کے پس منظر میں حالات حاضرہ کا جائزہ لیں تو ہمارے اپنے ہی ملک میں نوے (۹۰) فی صد فتنہ وفساد کا باعث مسجد و مندر کے تقدس سے ہی متعلق ہے، جب کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان دونوں مقامات کے تقدس کو دیکھتے ہوئے انہیں باہمی اتحاد

کا مرکز سمجھا جاتا، لیکن بابری مسجد اور رام جنم بھومی کے تضاد نے پاکیزہ دلوں کو مکدر کر کے باہمی اتحاد و یکجہتی کو چکنا چور کر دیا ہے۔ جب تک ہندوستانی عوام تصوف کے زیر سایہ رہی، آپسی کشیدگی اور بغض وعناد سے دور رہی، کیوں کہ عرفانی شاعری میں ''ھر قوم راست راہی دینی و قبلہ گاہی'' کے مصداق ان دونوں عنصر یعنی دیر وحرم کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی، چنانچہ رسؔوا فرماتے ہیں:

کعبہ با مسلم مبارک ہم کلیسہ با ھنود
بامن بیدل مبارک آستانی دیگرست
ہر کسی از رتبۂ خود ھمر ہی دارد نشان
مانشان مندانِ الفت را نشانی دیگرست
(۱۳)

اور دوسرا آستانہ وہ جگہ ہے جہاں ہندو و مسلمان اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ بیٹھ سکیں اور چونکہ مسجدوں میں ہندوؤں اور مندروں میں مسلمانوں کی آمد و رفت کی گنجائش کم ہوتی ہے، لہذا ایک ایسی جگہ چاہئے جہاں ہر قوم وملت کے ماننے والے بلاتفریق جمع ہو کر آپسی رنج وغم بانٹ سکیں اور شاید وہ جگہ صوفیوں کا آستانہ یا خانقاہ ہی ہو سکتی ہے، جہاں دردمند اور صاحبِ دل افراد جنم لے سکتے ہیں۔ بہر کیف، ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے انسانیت کے محسن اور توانا شاعر کے سرمایۂ حیات اور ان کے افکار و نظریات کو منظر عام پر لایا جائے تا کہ ایک عالم اس سے مستفید ہو سکے۔

حوالہ جات:

(۱) دیارِ پورنیہ میں چند ماہ از جناب پرواز اصلاحی، پورنیہ نمبر، مرتبہ جناب اکمل یزدانی، جنوری ۱۹۵۵ء

(۲) یادرفتگان، نسخۂ خطی، ص ۱۷

(۳) ایضاً

(۴) دیوانِ حافظ، بہ تصحیح دکتر اکبر بہروز و دکتر رشید عیوضی، انتشارات امیر کبیر، تہران ۱۳۴۷ھ ش، ص ۱۶، غزل نمبر ۱۶

(۵) نسخۂ خطی، ص ۲

(۶) دیوان بیدلؔ،

(۷) نسخۂ خطی، ص ۱۸

(۸) دیوان حافظ، بہ تصحیح دکتر اکبر بہروز و دکتر رشید عیوضی، انتشارات امیر کبیر، تہران ۱۳۱۴۷ھ ش، ص ۱۴، غزل نمبر ۱۴

(۹) مثنوی مولانا ی روم، دفتر

(۱۰) نسخۂ خطی، ص ۵

(۱۱) دیوان بیدل،

(۱۲) نسخۂ خطی، ص ۱۲

(۱۳) ایضاً، ص ۵

مختصر تاثرات

ڈاکٹر اخلاق احمد آہن

ریڈر شعبۂ فارسی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی۔۶۷

عہدِ قدیم سے ہی پورنیہ ایک علم پرور مقام رہا ہے اور خاص طور سے عہدِ وسطیٰ میں بے شمار علماء، شعراء اور مختلف علوم وفنون کے ماہرین کا مرکز ومرجع رہا ہے۔ ماضی قریب کا مشاہدہ بھی واضح عندیہ دیتا ہے کہ یہاں کی مٹی اور آب وہوا میں وہ خوبیاں ہیں، جو ذہنوں کو رازِ حیات وکائنات کی معرفت میں کنجکاو اور جستجو گر بناتی ہیں اور ان تشنہ ذہنوں کی آبیاری بھی کرتی رہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جس حقیقت کا اعتراف اگر چہ تلخ البتہ ضروری ہے، وہ یہ کہ کہیں نہ کہیں مقامی اور خاص طور سے باسواد افراد کی بے توجہی یہاں کی علمی وادبی خدمات کے تعارف وتشہیر میں مانع رہی ہے؛ اور یہ صورتحال صرف پورنیہ تک ہی محدود نہیں بلکہ اس پورے صوبے پر محیط ہے۔ اب تو صورتحال یہ ہے کہ اس سے آگے بڑھ کر اگر یہ کہا جائے کہ ہمارا پورا مشرقی تہذیبی سرمایہ ہماری مجموعی بے توجہی کا شکار ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اس بے حسی کے ماحول میں جب کہ آبا واجداد کی علمی، ادبی اور تمدنی میراث روز بروز بے توجہی کی شکار ہو کر ضائع ہو رہی ہیں، ایسے میں جس کسی کو بھی اس کے تحفظ کا خیال آئے، وہ مستحقِ صد آفریں ہے۔ اس ضمن میں جناب مولانا محمد رضوان ندوی کی انتھک کوششیں اور جذبہ و شوقِ قلندرانہ سے مملو مساعی بلاشبہ قابلِ تعریف ہیں۔ موصوف نہ صرف یہ کہ پورنیہ کے ایک علمی وادبی خانوادہ کے چشم وچراغ ہیں، بلکہ آپ نے اپنے بزرگوں کی تخلیقی وتصنیفی کاوشوں کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ترتیب وتدوین کا ذمہ بھی اپنے سر لیا ہے۔ موجودہ مجموعہ بعنوان

''غنچۂ عشق'' آپ کے پردادا قاضی نجم الدین رسؔوا ہری پوری مرحوم کے فارسی کلام پر مشتمل ہے۔اگر چہ مشیتِ ایزدی نے رسؔوا ہری پوری کو علم وادب کی خدمت کا وافر موقع نہ دیا اور وہ کم عمری ہی میں ہی واصلِ حق ہوئے ،لیکن اس کے باوجود ان کے کلام کی پختگی اور اساتذہ کا رنگ ہمیں متاثر کیئے بغیر نہیں رہتا۔ مرحوم رسؔوا ہری پوری کے کلام کی اشاعت سے نہ صرف اس خطہ کی فارسی شعروادب سے وابستگی اور اس کی خدمات پر روشنی پڑے گی، بلکہ اس حوالہ سے یہ ایک اہم اضافہ بھی ہوگا اور فارسی شعروادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک تحفہ بھی۔امید ہے کہ رضوان ندوؔی اس صبر آزما مرحلہ کو بحسن وخوبی طے کر کے اہلِ علم ودانش سے دادو تحسین پائیں گے اور ان کی کاوشوں کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔

اخلاق احمد آہؔن

ٹی۔۲۹ ،نیوٹرانزٹ ہاؤس، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی۔ ٦٧

akhlaq.ahan@gmail.com

قاضی نجم الدین نجم ہری پوری: حیات وخدمات:

محمد رضوان ندوی

نام :- قاضی نجم الدین احمد

ولدیت :- قاضی منشی مہتاب الدین احمد

تخلص :- رسوا و نجم واضح رہے کہ مرحوم پہلے رسوا تخلص کرتے تھے ۱۳/اکتوبر ۱۹۳۸ء سے نجم تخلص کرنے لگے۔

پیدائش :- آپ ۱۹۰۱ء میں صوبہ بہار کے ضلع پورنیہ، تھانہ امور کی ایک انتہائی مشہور ومعروف مردم خیز بستی بھاگ طاہر (ہری پور) کے ایک ممتاز علمی، ادبی اور دینی خاندان میں پیدا ہوئے۔

نسب نامہ :- قاضی نجم الدین ابن قاضی مہتاب الدین احمد ابن قاضی مدد علی ابن قاضی چراغ علی ابن قاضی ثناءاللہ ابن قاضی محمد فتح علی ابن قاضی اچھے میاں۔

تعلیم وتربیت :-

جناب نجم ہری پوری کے والد گرامی جناب قاضی منشی مہتاب الدین احمد ہری پوری اپنے وقت کے ایک جید فارسی داں اور اردو و فارسی کے شاعر تھے۔ جن کے متعلق خود جناب نجم ہری پوری نے اپنے ایک فارسی شعر میں فرمایا ہے:

پدر ہم بود مہتابِ سپہرِ علم و دانشہا
کہ دارد این چنین الفخر کلمہر سلیمانی

رہے اور آپ کے بڑے بھائی قاضی منشی عبدالرحیم ہری پوری (پدرممتاز شاعر قاضی جلال الدین جلاؔل ہری پوری) بھی ایک ممتاز فارسی داں تھے اور اپنے گھر ہی میں رہ کر تدریسی خدمات انجام دیتے تھے۔ جن کی پوری زندگی درس وتدریس ہی میں گذری اور ان سے علاقے کے تشنگانِ علم وادب اپنی علمی وادبی تشنگی بجھاتے۔ جن کے بارے میں جناب نجم ہری پوری نے اپنے ایک فارسی شعر میں یوں تذکرہ کیا ہے:

در اقلیمِ دبیری تاجِ سلطانی بسر دارد
اخیم را میسر شد بعالم این جہان بانی

چنانچہ نجم ہری پوری نے اُس دور کی فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے گھر ہی پر اپنے والد گرامی جناب قاضی منشی مہتاب الدین احمد ہری پوری اور اپنے بڑے بھائی قاضی منشی عبدالرحیم ہری پوری اور چند کتابیں منشی فرزند علی تمؔنا برادر مولانا مراد حسین یتیم کھپڑوی سے پڑھیں۔

جناب نجم ہری پوری مرحوم کے خاندان کا علمی، ادبی اور معاشی پس منظر:۔

جناب نجم ہری پوری کے خاندان کا علمی وادبی معاشی واقتصادی پسِ منظر خود انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں چنانچہ نجم ہری پوری اپنی کتاب ''یادِ رفتگاں'' کے صفحہ نمبر ۱۴ پر یوں رقمطراز ہیں:

''ہری پور۔ آہ ہری پور اب وہ ہری پور کہاں جہاں کی گلیاں چمن کی

روشیں بنی ہوئی تھیں ۔ جہاں کے در و دیوار شان وشوکت کے راگ الاپ رہے تھے۔ جہاں کا اتحاد و اتفاق قرونِ اولیٰ کا سبق پڑھا رہا تھا ۔آہ کدھر گئیں وہ ساری خوبیاں؟"

صفحہ نمبر ۱۵ پر اپنے جدِّ امجد اور اپنے دادا اور ان کے تینوں بھائیوں کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"چراغ علی صاحب کے گھر یکے بعد دیگرے چار چار نرینہ و نامور فرزند نے جنم لیا۔ قاضی حسن علی، قاضی مدد علی، قاضی امداد علی، قاضی جوہر علی جو بجائے خود ہر ایک دُرِ بے بہا، اور گوہرِ گرانمایہ تھے عناصرِ اربعہ خلقتِ آدم میں موافق اور باعثِ تربیت ہیں۔ یہ چاروں دولت وشرافت، ریاست ونجابت کی چار لاجواب دیواریں بن کر بام رفعت اور قصرِ امارت کو شانِ عروج دے رہے تھے۔ دولتِ عثمانی، صداقتِ صدیقی، عدل فاروقی شجاعتِ مرتضوی کا ہر ایک مظہرِ اتم تھے۔ تھانہ دار پاس ادب سے حاشیہ بوس رہتے تھے۔ آس پاس کے تعلقوں کی زبردست مستاجری تھی ہاتھی ،لکڑی اور چمڑوں کی شاندار تجارتیں تھیں۔ اطراف وجوانب میں سیاہ وسفید کے مالک تھے ۔مسندِ قضات کی انتہائی آن بان تھی۔ جدھر دیکھئے ہری پور کا غبارہ اڑتا ہے جدھر سنئے ہری پور کا نقارہ بجتا ہے ۔......مگر کیا کیجئے ہر کمالے راز والے بھی یقینی ہے"

اپنے دادا کی علمی قابلیت وصلاحیت اور انشاء پردازی کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۱۷ پر یوں رقمطراز ہیں:

''قاضی مددعلی صاحب کے خطوط سے جو کہیں کہیں اب بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ پتہ چلتا ہے کہ آپ کی روزمرہ کی تحریر فارسی تھی۔اور آپ کی تحریر انشائے بہار عجم کا نمونہ ہوتی تھی شانِ تحریر شانِ طغرا لئے ہوئے ہوتی تھی۔آپ نے عرصہ تک پورنیہ میں مختارکاری بھی کی۔''

جناب نجم ہری پوری اپنے والد بزرگوار قاضی منشی مہتاب الدین احمد کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''مہتاب صحیح معنے میں مہتاب تھے۔آپ کی فارسی فیضؔی اور ابوالفضلؔ کی یاددلاتی تھی۔آپ اردو و فارسی میں کچھ نظم بھی فرمایا کرتے تھے۔ مولانا مرادحسین یتیم کھپڑوی نے اپنے ایک خط میں آپ کو یوں مخاطب کیا ہے:

درانشائےہمم منشی ارشد ۔ کریمم منشی مہتاب احمد''

جناب نجم ہری پوری اپنے والد صاحب اور اپنے داداجان کی علم دوستی،ادب پروری اور اولاد کی تعلیم وتربیت سے دلچسپی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قاضی مددعلی صاحب علم دوست اور ہنر پرور واقع ہوئے تھے۔اس لئے ان کا بہت بڑا اثر آپ کے بڑے صاحبزادے قاضی منشی مہتاب الدین احمد (پدرِراقم) میں نمایاں تھا۔آپ نے اپنے دو فرزند

عبدالرحیم وعبدالستار صاحبان کی تعلیم وتربیت کے لئے حضرت مولانا مراد حسین یتیم کو اتالیق مقرر فرمایا تھا۔ اسی آوان میں قاضی مدد علی صاحب اور عبدالستار صاحب دونوں دادے پوتے مل کر ایک ہی سال میں دارالبقا کو سدھارے اور ان کی تاریخِ وفات میں دُرِّ یتیم یوں برس پڑے:

قطعۂ تاریخِ وفات شاگردِ رشید عبدالستار مرحوم

عبدِ ستارِ زین سپنج سرای
چون بقصرِ بہشت یافت محل
بود ششدر دلم بتاریخش
ناگہان شد نہفتہ مشکل حل
سالِ ملکیش خواند کلکِ یتیم
سبق آموختہ ز لوحِ ازل

۱۳۰۳ء ملکی

ہجریش زد رقم کہ بود ست آن
نقشِ ثانی جوہرِ اول

۱۳۱۳ھ

قطعۂ تاریخ وفات قاضی مدد علی صاحب رئیس الاعظم ہری پور

عادلِ دوران و سردارِ زمان
آنکہ ذاتش بود مقبولِ الٰہ
ہمچو کیخسرو بہ ترکِ سلطنت
پیشِ حق درگدیہ شد شام و پگاہ
کرد رحلت زین جہانِ بی ثبات
گفت تاریخش یتیمِ پرگناہ
ملکیش رنجِ ضیر و عیسویش

۱۳۰۳ھ ملکی

مسندِ قضات شد بی لطف آہ! ۱۸۹۶ء

جناب منشی کرامت حسین صاحب تمنا جنھیں پورنیہ کا تاج الشعراء کہا گیا ہے راقم کے چھوٹے دادا قاضی جوہر علی کے اتالیق تھے“

درس وتدریس:-

تدریسی خدمات کے سلسلہ میں آپ کا قیام زیادہ تر پرگنہ سری پور و آسجہ کے مواضعات میں رہا۔ جس میں نندنیہ، شیشہ باڑی، کٹھا مٹھا اور موده کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان مقامات کے علاوہ آپ نے ضلع پورنیہ کی قدیم اور مشہور ومعروف دینی وعصری درسگاہ مدرسہ تنظیمیہ باراعیدگاہ (جوامور کے مغرب میں واقع ہے) میں ادبیاتِ فارسی واردو کے استاذ کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں ہیں۔ وہاں قیام کے دوران

بھی آپ کا شعری وادبی سفر جاری رہا۔اور آپ نے متعدد کامیاب نظمیں کہیں۔چنانچہ جب آپ کا تقرر مدرسہ تنظیمیہ میں بحیثیت استاذ کے ہوااور گھر سے تدریسی خدمات کی انجام دہی کی غرض سے بارا عیدگاہ کے لئے رختِ سفر باندھ رہے تھے اس موقع پر ایک بڑی عمدہ نظم کہی ہے جو آپ کی شخصیت ،صلاحیت وقابلیت اور قادر الکلامی کی آئینہ دار ہے۔یہاں وہ نظم پیش کی جارہی ہے ملاحظہ فرمائیں:

اب تو باؔرا عید گاہ میں نوبہار آنے کو ہے
گُل کِھلا نے کو نسیمِ خوشگوار آنے کو ہے
بالیقیں اب تو گمک اٹھے گی باؔرا کی زمیں
نافۂ مشکِ ختن مشکِ تتار آنے کو ہے
پرُ ینہ کے مدرسوں میں کیوں نہ یہ ممتاز ہو
جب یہاں ملکِ سخن کا تاجدار آنے کو ہے
خطۂ بارا نہ کیوں کر روکشِ شیراز ہو
سعدؔی و حافؔظ کی زندہ یادگار آنے کو ہے
حاسدو!اب تم حسد کی آگ میں جلتے ہو
ایک فخرِ خاندان فخرِ دیار آنے کو ہے
حاسدانِ مدرسہ پر اب گریں گیں بجلیاں
برق خامہ شاعرِ فطرت نگار آنے کو ہے
اب نہ آنا اوج پر پرواز میں تم طائرو!

ناوک اندازِ ادب بہر شکار آنے کو ہے
راکھ ہوں گے جملہ بد خواہانِ بارا عید گاہ
نجم ثاقب یا شہاب شعلہ بار آنے کو ہے
نجم! کب تک استعارے اور تشبیہات ہوں
صاف کہئے مدعا اب روبکار آنے کو ہے

مدرسہ تنظیمیہ بارا عید گاہ کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ بھی لکھا ہے جن کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

مدرسہ تنظیمیہ العرف بارا عید گاہ
شک نہیں اس میں کہ اپنی قوم کا ہے خیر خواہ
یہ علوم دین و دنیا کا مبارک کاخ ہے
واہ! کیا کہنا کہ یہ شمس الھدی کی شاخ ہے
مدرسہ ہے ،یاکہ علم و فن کی دنیا کا چمن
انگلش و عربی کے رنگین پھول جس میں خندہ زن
مولوی ،ملاّ نکلتے ہیں یہاں سے بیشتر
مسٹر منشی بھی بنتے ہیں یہاں شائستہ تر
اوستادوں میں یہاں فاضل بھی میں عالم بھی میں
سب کے سب اہلِ قلم ناثر بھی ہیں ناظم بھی ہیں

اس کے علاوہ بار اعید گاہ میں قیام کے دوران آپ نے ایک اہم نظم ''زبانِ اردو'' کے زیرِ عنوان لکھی ہے جن کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

زبانِ اردو

فاتحِ ملک نہ کیوں کر ہو زبانِ اردو
شانِ اردو ہے زمانے میں نشانِ اردو
گفتگو کرتے ہیں اردو ہی میں گاندھی، آزاد
شاہِ افغان کے گھر میں بھی زبانِ اردو
عربی، فارسی اور ترکی و انگلش اس میں
جان ہے جملہ زبانوں کی زبانِ اردو
نظمِ تنظیمیہ کہتی ہے بہ آوازِ دُہل
پرُنیہ میں ہے ترقی پہ زبانِ اردو
نجم بالہجۂ خوش پڑھ کے سنادے سب کو
ہند کی روحِ رواں ہے یہ زبانِ اردو

مدرسہ تنظیمیہ کے علاوہ آپ نے بائسی بلاک (جو اس وقت سب ڈویژن بن چکا ہے) کی مشہور و معروف دینی و عصری درسگاہ مدرسہ اسلامیہ قمر گنج کمہر وابائسی، ضلع پورنیہ، میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں ہیں۔ واضح رہے کہ اس ادارہ کے بیشتر اساتذہ کا شمار اُس وقت کے جید و باکمال علماء و فضلاء اور مشہور و معروف شعراء و ادباء میں ہوتا تھا۔ ان اصحابِ قلم اور اربابِ شعر و سخن اساتذہ کی بدولت یہ مدرسہ بہترین تعلیم

وتربیت کا گہوارہ اور علم وادب اور شعر وسخن کا مرکز بن چکا تھا۔ چنانچہ اس مدرسہ میں مذہبی تقریبات اور دینی جلسوں کے علاوہ اکثر شعری وادبی محفلیں بھی منعقد ہوا کرتی تھیں۔ جس میں مقامی وبیرونی شعراء وادباء شرکت کرتے۔ جناب نجم ہری پوری بھی ان محفلوں میں پابندی سے شرکت کرتے اور اربابِ سخن سے دادو تحسین حاصل کرتے۔

مدرسہ اسلامیہ قمر گنج کمہروا کے مشاعروں کی ایک جھلک پیش کررہا ہوں جس سے وہاں کی ادبی وشعری فضا کا اندازہ ہوگا۔ ۲۰؍رجب ۱۳۶۰ھ ہجری کی بات ہے۔ مدرسہ کے احاطہ میں ایک تاریخی طرحی مشاعرہ منعقد ہوا تھا مصرعۂ طرح تھا۔ ''جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں'' یہ مشاعرہ دودوروں میں ہوا تھا۔ دورِاول میں آپ نے جو غزل پڑھی تھی اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ہم ان کو ڈھونڈ تے ہیں کہ جن کا نشاں نہیں
وہ تو مکیں ہیں پر کہیں ان کا مکاں نہیں

کس طرح کوئی اُس بتِ صیّاد سے بچے
چلتے ہیں تیر ہاتھ میں لیکن کماں نہیں

مرہم لگا کے جاتے ہیں ہر زخمِ دل پہ وہ
ان کی طرح طبیب کوئی مہرباں نہیں

تارے زمیں پہ بہرِ تصدق ہیں ٹوٹتے
واللہ حسنِ یار کی شہرت کہاں نہیں

دنیا ہماری ملکِ دو عالم سے ہے الگ

”جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں“

دورِ ثانی میں آپ نے جو غزل پیش کی تھی اس کے چند اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

آنکھوں سے جلوہ ان کا کسی دم نہاں نہیں
لیکن یہ طرفہ ماجرا صورت عیاں نہیں

سوزِ جگر سے جلتے ہیں ہم شمعِ کی طرح
اُف رے! کمالِ ضبط کہ لب پر فغاں نہیں

دلدادگانِ حسن کا کیا خاک جی لگے
رونق فزائے بزم جو وہ دلستاں نہیں

کب ہو رسائی غیر کی اپنے دیار میں
”جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں“

اسی طرح ۱۶ر شعبان ۱۳۶۰ھ میں ایک شاندار طرحی مشاعرہ ہوا تھا۔

مصرعۂ طرح تھا:- آہ کیا چیز ہے دل کوئی بتا دے مجھ کو

کاش ساقی قدحِ ہوش ربا دے مجھ کو
جام پندار و خودی سوز پلادے مجھ کو

گر مُسلَّم ہے پسِ مرگ حیاتِ اَبدی
زندہ جاوید بنا کر کے جلا دے مجھ کو

سخت پتھر بھی ہے یہ شیشۂ نازک تر بھی
”آہ! کیا چیز ہے دل کوئی بتا دے مجھ کو“

پیکرِ دردِ سراپا ہے ایا جانِ الم
''آہ! کیا چیز ہے دل کوئی بتا دے مجھ کو''

آپ نے ''مدرسہ اسلامیہ قمر گنج'' کے زیرِ عنوان ایک نظم بھی لکھی ہے۔ جن کے چند اشعار یہاں پیش کئے جا رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

مرا دل فدائے قمر گنج ہے
کہ دلکش فضائے قمر گنج ہے
بہار آئی بیتی کے چاروں طرف
یہ آب و ہوائے قمر گنج ہے
چلے آؤ تم طالبو! جُوق جُوق
یہ ہر دم صلائے قمر گنج ہے

یہ تھی مدرسہ اسلامیہ قمر گنج میں قیام دوران جناب نجم ہری پوری کی شعری وادبی سرگرمیوں کی ایک جھلک۔ واضح رہے ان دو اہم اداروں کے علاوہ آپ نے ''مدرسہ الٰہیہ بیسا'' اور ''مدرسہ اصلاح المسلین''سملباڑی کوٹھی (امور) میں بھی درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا ہے۔

تصنیف وتالیف:-

جناب قاضی نجم ہری پوری نے تین غیر مطبوعہ تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں (۱) کلیاتِ قاضی نجم ہری پوری (۲) یادِ رفتگاں (۳) کلیدِ اردو ''کلیات'' تو ان کے اردو وفارسی کلام کا مجموعہ ہے۔ ''یادرفتگاں'' میں مشاہیر دیار کا تذکرہ کا ہے اور کلیدِ اردو اردو قواعد کی

نہایت سہل ترین اور مختصر کتاب ہے۔

شعروشاعری:-

آپ کو بچپن ہی سے شعروادب کا ذوق تھا۔ چونکہ آپ نے ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں تھیں۔ جہاں ہر وقت شعروادب کے چرچے ہوتے تھے۔ اُس وقت کے ممتاز شعراء وادباء اور اہلِ فضل کمال کا ہمہ وقت آپ کے یہاں ہجوم رہتا تھا۔ خصوصاً مولانا مراد حسین یتیم کھپڑاوی، جناب منشی کرامت حسین تمنّا دلشاد پوری جناب منشی تصدق حسین مشتاق دلشادپوری اور جناب مولانا حفیظ الدین صاحب لطیفؔی رحمان پوری سے جناب قاضی منشی مہتاب الدین احمد (پدرِ نجم) کے گہرے مراسم تھے۔ الغرض جناب نجم ہری پوری کے دادا قاضی منشی مدد علی اوران کے والد بزرگوار قاضی منشی مہتاب الدین احمد کی علم دوستی، ادب پروری اور اہل علم کی قدر دانی کے باعث سرزمینِ ہری پور کو مرکزیت حاصل ہوچکی تھی۔ چنانچہ نجم ہری پوری پر اس علمی، ادبی اور شاعرانہ ماحول کا اثر یہ ہوا کہ آپ نے کم عمری ہی میں اردو وفارسی دونوں زبانوں میں شاعری شروع کردی۔ اور اپنی خداداد شاعرانہ صلاحیت اور فطری ذوق سلیم کی بدولت دونوں زبانوں کے ایک قادرالکلام شاعر اور صاحبِ طرز انشاء پرداز کی حیثیت سے ابھرے اور دنیائے شعروادب میں اپنی منفرد شناخت بنائی۔ رواجِ زمانہ کے مطابق آپ نے اردو وفارسی دونوں زبانوں میں شاعری شروع کی اور کافی عرصہ تک دونوں زبانوں میں مشقِ سخن کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن جب فارسی دانی وفارسی فہمی کا رجحان کم ہوگیا اور اس کی جگہ اردو زبان نے لے لی تو آپ نے ۱۹۳۸ء کے بعد فارسی شاعری بالکل ترک کردی اور

وقت کے تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف اردو میں شعر کہنے لگے۔الغرض ۱۹۳۸ء کے بعد نجم ہری پوری نے اپنی پوری توجہ اردو شاعری کی طرف مرکوز کی اور تاعمر گیسوئے اردو کو سنوارتے رہے اور بالخصوص مقصدی وافادی نظم نگاری کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

ازدواج واولاد:۔

قاضی نجم ی پوری کے بڑے بھائی قاضی منشی عبدالصمد کی شادی شریف النساء نامی ایک لڑکی سے ہوئی تھی ۔ جناب منشی عبدالصمد صاحب شادی کے چند سال بعد ہی انتقال کر گئے ۔ان کے پسماندگان میں ان کی بیوہ شریف النساء کے علاوہ عفیہ اور ناہدہ نام سے دو لڑکیاں بھی تھیں ۔ جناب نجم ہری پوری نے اپنے والدین اور اعزاء واقارب کی خواہش اور مشورہ پر اپنے بڑے بھائی کی بیوہ سے نکاح کرلیا۔اس طرح جناب نجم نے ایک طرف سنتِ نبوی کو زندہ کیا تو دوسری طرف ایک بیوہ عورت اور دو یتیم بچیوں کے یاس وحرماں کا خاتمہ کر کے ان کے چہرے پر دوبارہ خوشیاں لائیں ۔اس طرح نجم ہری پوری کی خوشگوار ازدواجی زندگی گذرنے لگی ۔ پھر اللہ نے ان کے گلشنِ امید میں یکے بعد دیگر دو پھول کھلائے یعنی ایک لڑکی اور ایک لڑکا کی پیدائش ہوئی آپ نے لڑکی کا نام زاہدہ خاتون رکھا جبکہ لڑکے کا نام قاضی محمد طہٰ تجویز کیا۔لڑکی تو زندہ رہی آپ نے بہت بہتر طریقہ سے اس کی پروش کی جب سن بلوغ کو پہنچی تو آپ نے اپنے بھانجہ محمد صدیق ولد حاجی احسان علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن کھیمیاں سے ان کا نکاح کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صاحبزادی کو سات اولادوں سے نوازا تین لڑکے اور چار لڑکیاں لڑکوں کے نام

محمد سلمان، محمد نعمان، اور محمد عمران ہیں جب کہ لڑکیوں کے نام سلمٰی بانو، عقلیمہ بانو، نائرہ بانو اور ذاکرہ بانو ہیں۔ واضح رہے کہ قاضی نجم ہری پوری مرحوم کی اکلوتی صاحبزادی زاہدہ خاتون کی وفات ۲۰۰۵ء میں ہوئی ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنی بھتیجیوں کی بھی احسن طریقہ سے پرورش کی اور جب بڑی ہوئیں تو ان کی بھی شادیاں کرائیں واضح رہے کہ عفیہ خاتون کی شادی ''ہمفیاں'' کے باشندہ جناب محمد یعقوب صاحب (مرحوم) سے کرائی جن کو اللہ نے چار اولادوں سے نوازا دو لڑکے اور دو لڑکیاں جن کے نام اس طرح ہیں الحاج ابونعیم، مولانا ابوالمحسن مظاہری رائحلہ خاتون اور شکیلہ خاتون۔ ناہدہ خاتون کی شادی اتر دیناج پور (مغربی بنگال) کے مشہور گاؤں ''مٹیاری'' کے ایک رئیس اور زمیندار شخص جناب عبدالعزیز سرکار سے کرائی واضح رہے کہ ناہدہ خاتون کو کوئی اولاد نہیں تھی۔ یہاں تک آپ کی بیٹی اور بھتیجیوں کا ذکر قدرے تفصیل سے تھا۔ اب چند سطور ان کے اکلوتے فرزندِ ارجمند قاضی محمد طہٰ کے متعلق بھی تحریر کردوں واضح رہے کہ وہ بچپن میں ہی آپ کو داغِ مفارقت دے چکا تھا۔ اس المناک حادثہ نے آپ کو بے حد متأثر کیا اور آپ کی زندگی بے کیف ہو کر رہ گئی۔ اس کا اندازہ آپ ان کی اس پرسوز نظم سے لگا سکتے ہیں جسے انہوں نے ''فرزندِ دلبند کی یاد'' کے زیرِ عنوان لکھی ہے، پوری نظم یہاں پیش کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں:

فرزند دلبند کی یاد

کس مزے کی نید تھی کس لطف کا وہ خواب تھا
جب خمِ ابرو دعائے شوق کا محراب تھا

چاند سورج کی طرح ماں باپ تھے پیشِ نظر
زینتِ آغوش تھا فرزند طٰہٰ جلوہ گر
پتلے پتلے ہونٹ سے موتی سے دانتوں کی جھلک
ہوتی ہے جیسی شفق آلود تاروں کی چمک
اس پہ میٹھی مسکراہٹ دیکھنے میں تھی بہار
دل ہمارا جس پہ رہ رہ کرکے ہوتا تھا نثار
چوم لیتے تھے جسے ہم آہ! کس کس پیار سے
اور گلے لپٹا لیا کرتے تھے کن اطوار سے
جنت الفردوس تھی دنیا ہمارے واسطے
تھا نشاطِ زندگی بیٹا ہمارے واسطے
پر قضا نے یک بیک آنکھوں سے اوجھل کردیا
میری قسمت کا انوکھا پھول اڑکر چل دیا

الغرض قاضی محمد طٰہٰ کے انتقال کے بعد نجم ہری پوری کی کوئی نرینہ اولاد یادگار نہ رہی ۔اس کمی کا احساس انہیں تاعمر رہا چنانچہ انہوں نے ''ایک آرزو'' کے زیرِعنوان اپنی نظم میں اس آرزو کا اظہار بھی کیا ہے،اس نظم کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

برسوں سے اپنے دل میں حسرت تو پل رہی
شاخِ امید لیکن رہ رہ کے جل رہی ہے

اے کاش آج ہوتا فرزند کوئی اپنا
آنکھوں سے بن کے آنسو حسرت نکل رہی ہے

بیعت وارادت:-

جناب قاضی نجم ہری پوری ضلع اعظم گڈھ اتر پردیش کے مشہور بزرگ شیخِ طریقت قطبِ دوراں حضرت الحاج حافظ حامد حسن صاحب علویؔ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ واضح رہے کہ حضرت والا سال میں کئی بار'' ہفیاں خانقاہ'' آیا کرتے تھے اور اپنے مریدین کو درسِ سلوک دیا کرتے تھے۔ انہیں اپنے پیرومرشد سے حد درجہ عقیدت تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے مرشد کی شان میں ایک عمدہ مدحیہ قصیدہ بھی لکھا جن کے چند اشعار یہاں پیش کئے جارہے ہیں:

مشعلِ بزمِ شریعت حضرتِ حامد حسن
چشمۂ فیضِ طریقت حضرتِ حامد حسن
کیوں نہ ہوں روشن مریدوں میں جہانِ معرفت
مظہرِ نورِ حقیقت حضرتِ حامد حسن
سیرتِ احمدؐ نمایاں آپ کے اعمال میں
پیکرِ اخلاقِ سنت حضرتِ حامد حسن
نجم بھی ساغر بکف آیا ہے اب پیشِ حضور
دیجئے بھر اپنی الفت حضرتِ حامد حسن

وفات:-

بالآخر آسمانِ شعر وادب کا یہ درخشندہ ستارہ ۱۵/اپریل ۱۹۴۹ء مطابق ۱۵/ جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ، ۲/بیساکھ ۱۳۵۷ملکی کو ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔آپ کے حقیقی بھتیجے اردو وفارسی کے ممتاز شاعر قاضی جلال الدین جلالؔ ہری پوری نے فارسی زبان میں قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے۔پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں:

قطعۂ تاریخِ وفات جناب قاضی نجم ہری پوری مرحوم عمِ خود

نجمِ ثاقب چوں بہ سوئے برجِ جنت شد رواں
گشت فق زیں حادثہ رنگِ بہارِ انجمن
پانزدہ اپریل روزِ جمعہ در وقتِ عشاء
بست اسبابِ سفر زیں تنگنائے پُر فتن
چشم نم، افغاں بہ لب با درد و غم بیروں شدہ
فکرِ تاریخش چوں کردم اے جلالِؔ خستہ تن!
گفت سالِ عیسوی ہاتف بہ من کہ گو"بمرد"
شاعرِ نامی گرامی آفتابِ علم وفن

۱۹۴۹ء

اس کے علاوہ قاضی جلالؔ ہری پوری نے اپنے نامور چچا جناب نجمؔ ہری پوری

مرحوم کی وفات پر اردو زبان میں ایک انتہائی پرسوز تعزیتی نظم لکھی ہے پوری نظم ذیل میں پیش کی جارہی ملاحظہ فرمائیں:

آہ! حضرتِ نجم

فضاؤں پر مسلط آہ دودِ حسرت و غم ہے
نم آلودہ ہیں آنکھیں ہر طرف سامانِ ماتم ہے
سپہر علم و فن کا اخترِ روشن ہوا پنہاں
زبانِ اہلِ عالم پر یہی اب ذکرِ پیہم ہے
فلک کے دوش پر بھی نیلگوں ہے دلقِ ماتم کی
خفائے نجمِ ثاقب کا اُسے بھی اس قدر غم ہے
عزیز و اقربا روتے ہیں ہر سو سسکیاں لے کر
بھتیجے پر جنوں طاری ہے بھائی کی کمر خم ہے
نہیں محفوظ ہے کوئی اگرچہ موت کی زد سے
مگر بے وقت کی رحلت قیامت سے نہیں کم ہے
جوارِ رحمت خاصہ میں خالق دے جگہ ان کو
تہہِ دل سے دُعا اُن کے لئے میری یہ ہردم ہے
جلالِؔ غمزدہ غم کی سناؤں داستاں کیوں کر
قلم تھرّا رہا ہے غم کے مارے، چشم پرُ نم ہے

مراجع ومصادر

(۱) کلیات قاضی نجم الدین نجم ہری پوری

(۲) یادرفتگاں مصنفہ قاضی نجم ہری پوری

(۳) مقالہ بعنوان ''قاضی نجم ہری پوری قدیم پورنیہ کمشنری کے عظیم شاعر'' از: شمس جلیلی ایم۔اے۔بی۔ایل

(۴) اس کے علاوہ میں نے قاضی نجم ہری پوری کے اولاد وازدواج کے بارے میں اپنی دادی محترمہ مریم النساء زوجہ قاضی جلال ہری پوری سے تفصیلات معلوم کی ہیں۔

اردو کلام

حمد باری تعالیٰ بچوں کی زبان سے

الٰہی ہم ہیں سب مخلوق، تو خالق ہمارا ہے
تو ہی ہے صانعِ کل اور تو ہی عالم آرا ہے
ہمیں انساں بناکر تو نے پھر عقل و خرد بخشی
ہمیں پھر ساری مخلوقات میں اشرف پکارا ہے
ہدایت کو ہماری ہادیِ ختم الرسل بھیجا
مکمل ایک دستور العمل قرآں اتارا ہے
ہے تیرا شکر ہم کو مومن و مسلم کیا پیدا
کیا علم و ہنر کا مدرسہ پھر آشکارا ہے
وہ دل دے تاکہ ہم دامن گلِ مقصود سے بھر لیں
دعا کا ہاتھ تیرے سامنے پروردگارا! ہے
ستاروں کی طرح دنیا میں ہم ذروں کو چمکا دے
فروغِ مہر سے تیرے منور ملک سارا ہے
چمکتا رکھ اسے یارب سدا تو اوجِ قسمت میں

اردو کلام

حمد باری تعالیٰ بچوں کی زبان سے

الٰہی ہم ہیں سب مخلوق، تو خالق ہمارا ہے
تو ہی ہے صانعِ کل اور تو ہی عالم آرا ہے

ہمیں انساں بنا کر تو نے پھر عقل و خرد بخشی
ہمیں پھر ساری مخلوقات میں اشرف پُکارا ہے

ہدایت کو ہماری ہادیِ ختم الرسل بھیجا
مکمل ایک دستور العمل قرآں اتارا ہے

ہے تیرا شکر ہم کو مومن و مسلم کیا پیدا
کیا علم و ہنر کا مدرسہ پھر آشکارا ہے

وہ دل دے تا کہ ہم دامن گلِ مقصود سے بھر لیں
دعا کا ہاتھ تیرے سامنے پروردگارا! ہے

ستاروں کی طرح دنیا میں ہم ذروں کو چمکا دے
فروغِ مہر سے تیرے منور ملک سارا ہے

چمکتا رکھ اسے یارب سدا تو اوجِ قسمت میں
ہمارے بخت کا یہ نجمؔ جو روشن ستارا ہے

دربارِ رسالت مآبؐ میں

جان سے خوشتر نبیؐ جی ہے محبت آپؐ کی
دین اور ایمان کا مظہر ہے الفت آپؐ کی

حسنِ ربانی کا جلوہ ہے جو صورت آپؐ کی
خلقِ رحمانی کا بھی پر تو ہے سیرت آپؐ کی

آپ کو خالق نے اپنا لاڈلا پیدا کیا
جوڑ دی توحید سے اپنی، رسالت آپؐ کی

آپ کی تعریف یہ گونگی زباں کیا کر سکے
ہے بھری آیاتِ قرآنی میں مدحت آپؐ کی

عرشِ اعلیٰ پر گئے اللہ کے مہماں بنے
مرحبا صلِ علیٰ کیا شانِ رفعت آپؐ کی

اُن سے حق راضی ہوا جو آپؐ کا تابع ہوا
عین طاعت ہے خدا کی، ہر اطاعت آپؐ کی

گرچہ میں ہر چند قابل منھ دکھانے کے نہیں
ناز ہے پھر بھی کہ میں آخر ہوں امت آپؐ کی

یاشفیع المذنبین میرے گنہہ بخشائیے
عاصیوں ہی کے لئے تو، ہے شفاعت آپؐ کی

روضۂ اقدس پہ شاہا! جلد بلوا لیجئے
نجمؔ کی آنکھوں کو رُلواتی ہے فرقت آپؐ کی

غزلیں

آدمی وہ کیا جو تجھ پر جان سے مائل نہ ہو
دل وہ کیا جو خنجرِ غم کا ترے گھائل نہ ہو

چوٹ جو کھائی ہے دل پر میں نے راہِ عشق میں
یا الٰہی حشر تک اس کا اثر زائل نہ ہو

کاش اُنہیں آنکھوں کے بالکل سامنے دیکھا کروں
میرے اُن کے درمیاں پردہ کوئی حائل نہ ہو

اے دلِ دیوانہ تو ہے طالبِ صادق اگر
مانگ تو اُن سے اُنہی کو غیر کا سائل نہ ہو

دیکھ پائے عکس جو رسوا مرے دلدار کا
حسنِ یوسف کا جہاں میں پھر کوئی قائل نہ ہو

للہ، اتنا کام تو اے دردِ یار کر
دل پر لگا کے چوٹ مجھے بے قرار کر
بسمل کی طرح میں بھی دکھایا کروں تڑپ
یوں اے خدنگِ عشق مجھے دل فگار کر
صیاد! تجھ کو دوں گا دعائیں بہت بہت
مجھ کو بھی صید کر لے ہاں اک تیر مار کر
دل سے خیالِ یار کا جانا ہے اب محال
شیشہ میں رکھ لیا ہوں پری کو اتار کر
اے حسنِ یار تجھ پہ میں واری ہزار بار
جلوہ فگن ادھر بھی ذرا ہو سنگھار کر
اللہ رے تصرف و جذبِ ادا و ناز
دینے لگا میں جان بھی سب کچھ نثار کر

جی چاہتا ہے اب کوئی آہِ رسا کروں
دنیا میں ایک چیخ سے محشر بپا کروں
سینہ میں کوئی خنجرِ خوں خوار بھونک دوں
میں اپنے دردِ دل کی اسی سے دوا کروں
مجھ سے وہ برکنار، رقیبوں سے ہم بغل
کہئے نہ کیوں میں موت کی پھر التجا کروں
ہاں شوق سے جفا تو کر اے خوگرِ جفا
میری تو ہے سرشت کہ ہردم وفا کروں
تو لاکھ کہہ برا مجھے اور گالیاں بھی دے
میں وہ کہ تیری لے کے بلائیں دعا کروں
وہ میرے قتل پر جو کمر بستہ ہو کبھی
میں بار بار اپنی جاں اس پر فدا کروں
دنیا و دین میں مرے قاتل کی خیر ہو
یہ ہاتھ اٹھا اٹھا کے خدا سے دعا کروں
اُن کی تو لاکھ طرح سے ہیں دل ستانیاں
اک دل کا میں بچاؤ اکیلے سے کیا کروں
کیا ربطِ حسن وعشق ہے بزمِ وصال میں
وہ گھوریں مجھ کو اور میں ان کو تکا کروں

خواہشِ دل ہے کہ خاکِ درِ میخانہ بنوں
خاک سے جب میں اٹھوں ساغر و پیمانہ بنوں
ہاں، مجھے ایسی کوئی مئے تو پلادے ساقی!
ایک ہی گھونٹ میں بس بے خود و مستانہ بنوں
اے پری مجھ پہ بھی، ہاں، ہو کبھی تیرا سایہ
میں بھی اک نامِ خدا دہر میں دیوانہ بنوں
یوں تو پروانے ہیں کتنے ترے اے شمعِ جمال!
کاشکے میں بھی تری بزم کا پروانہ بنوں
تو اتر آئے مرے دل میں جو اے پیکرِ نور!
میں سراپا ہمہ تن جلوۂ جانانہ بنوں
منزلِ راہِ طریقت میں مدد کر اے شوق!
سختیاں آئیں تو بس ہمتِ مردانہ بنوں
کیجیئے کام کوئی کام کا ایسا رسوا
بعد مرنے کے بھی دنیا میں اک افسانہ بنوں

جان تن میں ہو تو دردِ یار کا آزار ہو
دل بھی پہلو میں غمِ دلدار کا بیمار ہو

جب تک اپنا دم رہے، زخمی محبت کا رہوں
تیرِ اُلفت یا خدا یکدم جگر کے پار ہو

دیدۂ پُر نم تصور میں بنے مثلِ صدف
اشک کا قطرہ جو ٹپکے لُو لُوِ شہوار ہو

ان کا اور میرا رہے یونہی بہم ناز و نیاز
وار پر ہو وار اُدھر سے اور اِدھر سے پیار ہو

خوب جی بھر کر انہیں بے پردہ اک دن دیکھ لوں
لوٹ پر یارب کبھی ہاں دولتِ دیدار ہو

شاہدِ مقصود سے ہوجائے ہم دوشی نصیب
یا الٰہی بختِ خوابیدہ مرا بیدار ہو

کاش رسؔوا روزِ محشر ہے جو رسوائی کا دن
ڈھانکنے والا مرے عیبوں کا وہ ستّار ہو

زباں پر کلمۂ توحید ہے اور شرک ہے دل میں
ہے دعویٰ اہلِ حق کا ، ہر قدم ہے راہِ باطل میں
مسلماں جن کو حاصل رومؔ و ایراںؔ کی خدائی تھی
پرستش قیصر و کسریٰ کی ہے اب اُن کی محفل میں
بھلا بتلائے کوئی، وہ جو آقائے ممالک تھے
سبب کیا ہے کہ جکڑے ہیں غلامی کے سلاسل میں
وہی اسلام ہے ابتک وہی قرآن ہے لیکن
نہ اب وہ قوتِ ایماں نہ وہ جوشِ عمل دل میں
بہتّر(۷۲) فرقے ہوکر وقفِ جنگِ باہمی ہیں جب
تباہی پھر نہ کیوں آئے مسلمانوں کی محفل میں
مٹا کر اختلافِ باہمی گر نا خدا بنتے
لگا لیتے ابھی گرداب سے کشتی کو ساحل میں
اگر توحید پر ہے ناز، ابراہیمؔ بن جاؤ
کہ گلشن ہو سراسر آتشِ نمرود بابل میں
عصائے موسوی سے کم نہیں ہے ضرب الا اللہ
عبث ہے خوف و ترسِ عوج و فرعون آپ کے دل میں
مثالِ قیس دنیائے عمل میں دشت پیما ہو
تمہاری منتظر ہے لیلیِ مقصود محمل میں
فروغِ نجمؔ سے لو کام اُو بھٹکے مسافر! تم
تمہیں پہنچائے گا یہ مشعلِ راہ بن کے منزل میں

مصرعۂ طرح :- کچھ ہمارا اور کچھ ان کا بھی اس میں نام ہے

رونقِ بزمِ طرب ساقیِ دل آرام ہے
گرم ہے بازار نوشانوش، دورِ جام ہے

تیرے کوچہ میں جو اے قاتل ہجومِ عام ہے
آبِ خنجر کا ترے ہر ایک تشنہ کام ہے

قتل کرنے کو مرے تلوار کی حاجت نہیں
ایک ادنیٰ جنبشِ ابرو کا تیری کام ہے

اللہ اللہ، کس حسیں کا میں شہیدِ ناز ہوں؟
قبر پر رضواں چڑھاتا پھول صبح و شام ہے

باعثِ شہرت ہیں حسن و عشق کے ناز و نیاز
"کچھ ہمارا اور کچھ اُن کا بھی اس میں نام ہے"

بام پر مصروف نظّارہ کوئی ناوک فگن
خاک میں بسمِل تڑپتا کوئی زیرِ بام ہے

آپ کے احسانؔ(۱) کا سو شکریہ بزمِ ادب!
آپ سے اردو ترقی کا بھلا انجام ہے

نجمؔ! تو اپنی تنک تابی سے روپوشی نہ کر
انجمن میں بہرِ شرکت جب صلائے عام ہے

(۱) محمد احسان صاحب پدمپوری سکریٹری بزمِ ادب کشن گنج

مصرعۂ طرح :- عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

ہیں اداسی میں صراحی و خُم و جام ابھی
کاش آجائے ادھر ساقیِ گلفام ابھی

ناصحا! میں ہوں طلب گارِ مئے و جام ابھی
تیری سننے کا نہیں یہ دلِ ناکام ابھی

صبحِ پیری میں بھی ہے شامِ جوانی کی امنگ
پک گئے بال مگر ہے ہوسِ خام ابھی

فکرِ فردا کے لیے دیکھئے فرصت کب ہو
"عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی"

مرغِ زیرک نہ پھنسے دام میں تیرے صیاد!
رخ پہ بکھرے جو کہیں زلفِ سیہ فام ابھی

ایک اک کر کے سبھی ہوگئے مجھ سے رخصت
غم نہیں نجم! کہ باقی ہے مرا نام ابھی

مصرعۂ طرح:- دامن بھرا ہوا ہے گلِ آرزو سے آج

دل گیر سا رہا ہوں میں کچھ رنگِ رو سے آج
کیا آنکھیں لڑ گئی ہیں کسی ماہ رو سے آج

وہ آئیں میرے گھر جو کسی دن تو جان لوں
''دامن بھرا ہوا ہے گلِ آرزو سے آج''

ساقی نہیں تو ہم بھی کسی کام کے نہیں
مینا کی گفتگو ہے یہ جام و سبو سے آج

امروزہ عیش کو غمِ فردا میں تو نہ چھوڑ
آواز سن رہا ہوں یہی سُو بہ سُو سے آج

قند و نبات بھی نہ کہیں منھ کو چوم لیں
کیا لطف مل رہا ہے تری گفتگو سے آج

ممکن نہیں ہے نجمؔ! کہ جانے دوں پھر اسے
گم گشتہ دل کو پایا بہت جستجو سے آج

نوٹ:۔ مذکورہ بالا تینوں طرحی غزلیں ۱۵؍فروری ۱۹۴۵ء کو بزمِ ادب کشن گنج کے زیرِ اہتمام منعقدہ مشاعرے کے لئے لکھی گئیں تھیں۔(مرتب)

مصرعۂ طرح:۔۔جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں

دورِ اول

ہم ان کو ڈھونڈتے ہیں کہ جن کا نشاں نہیں
وہ تو مکیں ہیں پر کہیں اُن کا مکاں نہیں

دنیا ہماری ملکِ دو عالم سے ہے الگ
''جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں''

ہم ان کے پاس جاں لئے پہنچیں گے کس طرح
پاس اُن کے تو رسائیِ وہم و گماں نہیں

کیوں کر ہمارے دامِ ہوس میں وہ مرغ آئے
عنقا کا آج تک ہے ملا آشیاں نہیں

کس طرح کوئی اس بتِ صیاد سے بچے
چلتے ہیں تیر ہاتھ میں لیکن کماں نہیں

تارے زمیں پہ بہرِ تصدق ہیں ٹوٹتے
واللہ حسنِ یار کی شہرت کہاں نہیں

خوبانِ دہر گُنگ ہے سب اُن کے سامنے
تصویر بن جاتے ہیں وہ منھ میں زباں نہیں

باور نہیں جو آپ کو، آئینہ دیکھ لیں
حسن و جمال میں کوئی ایسا جواں نہیں

وہ ہم سے پوچھ لیتے ہیں آخر کبھی کبھی
پوشیدہ اُن سے اپنی کوئی داستاں نہیں

مرہم لگاکے جاتے ہیں ہر زخمِ دل پہ وہ
اُن کی طرح طبیب کوئی مہرباں نہیں

کیوں جائیں در پہ غیر کے ہم ان کو چھوڑ کر
کیا اُن کے پاس چارۂ دردِ نہاں نہیں

نجمِ زمیں پہ شمسِ فلک ٹوٹ ہی گرا
پروانے مشعلوں پہ ہیں گرتے کہاں نہیں

ساقی! ہمیں تو اور اک پر کیف جام دے
ذوقِ سلیم کا ہوا کچھ امتحاں نہیں

کچھ دورِ آخری کے لئے باقی چھوڑنا
حاصل ابھی سکونِ دلِ ناتواں نہیں

خاموش نجم! اوروں کو موقع بھی دیجئے
کیا کچھ تمہیں لحاظِ دلِ دوستاں نہیں

دورِ ثانی

آنکھوں سے جلوہ اُن کا کسی دم نہاں نہیں
لیکن یہ طرفہ ماجرا صورت عیاں نہیں
ہم ان کو ڈھونڈ لیں گے ہی گو بے نشاں ہیں وہ
موجود ہیں وہ بھیس بدل کر کہاں نہیں
دیر و حرم یہ دونوں ہیں دھوکے کی ٹٹیاں
دل کے سوائے اور کہیں ان کا مکاں نہیں
اہلِ طلب گزرتے ہیں دنیا کی قید سے
پابندِ انتہائے حدودِ جہاں نہیں
کب ہو رسائی غیر کی اپنے دیار میں
''جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں''
بادہ پرستیوں میں ہو کیا لطف ہمدمو!
اس میکدہ میں اب کوئی پیرِ مغاں نہیں
سوزِ جگر سے جلتے ہیں ہم شمع کی طرح
اُف رے! کمالِ ضبط کہ لب پر فغاں نہیں
دلدادگانِ حسن کا کیا خاک جی لگے
رونق فزائے بزم جو وہ دلستاں نہیں
ہنستے ہیں پھول اور عنادل ہیں چہچہتے
وہ کونسی بہار ہے جس میں خزاں نہیں
ہم نجم ہیں زمیں سے فلک پر بسیں گے جا
کیا غم اگر ہمارا کوئی قدرداں نہیں

نوٹ: مذکورہ بالا دونوں طرحی غزلیں ۲۰؍رجب ۱۳۶۰ھ کو مدرسہ اسلامیہ قمر گنج گھروا کے احاطہ میں منعقدہ مشاعرے کے لئے لکھی گئیں تھیں۔ (مرتب)

مصرعۂ طرح:- آہ کیا چیز ہے دل کوئی بتادے مجھ کو

کاش ساقی قدحِ ہوش ربا دے مجھ کو
جامِ پندار و خودی سوز پلا دے مجھ کو

مرمٹوں چاہ میں وہ ذوقِ فنا دے مجھ کو
لذتِ مرگ بصد زیست چکھا دے مجھ کو

گر مسلّم ہے پسِ مرگ حیاتِ ابدی
زندہ جاوید بنا کر کے جلا دے مجھ کو

لد گئی بارِ گنہہ سے تو ہے اپنی کشتی
ناخدائی بھی کوئی اپنی دکھا دے مجھ کو

نا خدا اپنا، خدا ہے تو تردد کیسا
پل میں گر چاہے تو وہ پار لگا دے مجھ کو

مدعی! عشق تو ہے زندگی مشقِ فنا
جیتے جی مر کے کوئی ہے تو دکھا دے مجھ کو

لگ گئیں آنکھیں مری، یاد میں روتے روتے
دیکھنا کوئی نہ بھولے سے جگا دے مجھ کو

غیر ممکن جو دکھانا رخِ زیبا کی جھلک
کیا یہ ممکن نہیں آواز سنا دے مجھ کو

کوئی صورت تو سہی میری تسلی کی ہو

خاکِ در ہی وہ بناکر کے اڑا دے مجھ کو

یہ صدا ہے دلِ نازک کی ہر اک پہلو سے
ٹوٹ جاؤں جو کوئی ٹھیس لگا دے مجھ کو

صدمے سہہ سہہ کے دل اپنا ہے مگر سخت بنا
غم نہیں گر کوئی سو چوٹ لگا دے مجھ کو

سخت پتھر بھی ہے یہ شیشۂ نازک تر بھی
''آہ! کیا چیز ہے دل کوئی بتا دے مجھ کو''

قطرۂ خونِ تمنا ہے ایا نقطۂ غم
''آہ! کیا چیز ہے دل کوئی بتا دے مجھ کو''

پیکرِ درد سراپا ہے ایا جانِ الم
''آہ! کیا چیز ہے دل کوئی بتا دے مجھ کو''

آج تک دل کی حقیقت ہے معما بن کر
کوئی اس دل کی حقیقت تو جتا دے مجھ کو

نجمؔ! دل آئینۂ روئے خدا ہے فی الحق
کیا عجب اس میں وہ صورت بھی دکھا دے مجھ کو

نوٹ: یہ طرحی غزل بھی نجم ہری پوری نے ۱۶؍شعبان ۱۳۶۰ھ کو مدرسہ اسلامیہ قمر گنج کے احاطے میں منعقدہ ایک طرحی مشاعرے کے لئے لکھی تھی۔ واضح رہے ان دونوں طرحی مشاعرے میں قاضی نجم ہری پوری اوران کے بھتیجے قاضی جلالؔ ہری پوری دونوں نے بطور شاعر شرکت کی تھی۔ (مرتب)

نظمیں

شاعر کا پیغام شعراء کے نام

مرحبا اے شاعرانِ نکتہ پرور مرحبا
ہم نے مانا آپ سب ہیں بلبلانِ خوش نوا
ہاں بہت مسحور کن ہے خوش نوائی آپ کی
دل فریبِ مردماں نغمہ سرائی آپ کی
اس سے کیا حاصل بھلا کچھ آپ ہی فرمائیے
آئے دن یونہی جو اپنی شاعری دہرائیے
جھوٹے عاشق بن کے کب تک عشق فرمائیں گے آپ؟
عارضی حسنِ بتاں سے جی کو بہلائیں گے آپ ؟
ہاں بتائیں قصہ ہائے درد و درماں تا بکے ؟
ذکرِ وصل و شکوہ ہائے داغِ ہجراں تا بکے ؟
دانہائے خال و دامِ زلف کا کب تک گلہ؟
تیرِ مژگاں تیغِ ابرو کا یہ کب تک مشغلہ ؟
چھوڑیئے ان سب کو اب قومی ترانے گائیے
قومِ خوابیدہ کو بیداری میں پھر کچھ لائیے
بزم گاہوں میں غزل خواں مدتوں تک رہ چکے

رجز خوانی رزم گاہوں میں بھی کچھ تو چاہیئے
شعر میں اقبالؔ کا انداز پیدا کیجئے
دہر میں بانگ درا پھر اک ہویدا کیجئے
آپ سے اسلام کا پھر بول بالا ہو رہے
ہند کے ظلمت کدے میں پھر اجالا ہو رہے
نجمؔ کا پیغام گوشِ دل سے کچھ سن لیجئے
شاعری کرنے کو قومی شاعری چن لیجئے

پیغامِ عمل

اگر ہے زندگی درکار ، تازہ جان پیدا کر
زمانے میں تو سچی زندگی کی شان پیدا کر
وہ سچی زندگی، یعنی حیاتِ انتم الاعلون
اگر مطلوب ہے ، اسلاف کا ایمان پیدا کر
تو مومن اور مسلم ہے تو پھر کیوں یہ پریشانی؟
خدا کا نام لے اور دل میں اطمینان پیدا کر
ذرا غیرت تو کر ، ہے خلف کو کچھ سلف سے نسبت ؟
اجی فرزند بن آبا کا اپنے، آن پیدا کر
تجھے اغیار پر غلبہ نہ حاصل ہو یہ کیا معنی ؟
ذرا ماضی کا اپنے حال میں عنوان پیدا کر
ترے ایمان اور اسلام پر ادبار چھایا ہے
چل اٹھ، سر سے ہٹانے کا اِسے سامان پیداکر
پیامِ رب، کلام اللہ کو دل سے بھلا بیٹھا
زباں پر ہی نہیں دل میں بھی تو قرآن پیدا کر
ترے آباء باہم تھے متفق، تو پھوٹ کا بانی

مٹا کر پھوٹ پھر شیر و شکر کی شان پیدا کر
جو آباء کی طرح ہے گوئے چوگاں کھیلنا تجھ کو
تو عالی ہمتی کا پھر کھلا میدان پیدا کر
ہے ماضی کی طرح جو دیکھنا رنگین مستقبل
کفن کو خون سے رنگنے کا پھر ارمان پیدا کر
وہ زندہ قوم بنتی ، موت سے جو کھیلتی رہتی
تو مسلم ہے تو اک جاں کے لئے سو جان پیدا کر
تہہِ دل سے پیامِ نجم ہے مسلم کی خدمت میں
تو اپنا رہنما آزاد(۱) سا انسان پیدا کر

(۱)مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم)

نوجوانانِ وطن سے خطاب

اگر بننا ہے غالب ، صفدرِ خیبر شکن ہوجا
جوابِ زور میں رستم نہیں، رستم فگن ہوجا
بنانا گر تجھے مقصود ہے تقدیر واژوں کی
تو فوراً پنجہ بر تابندۂ چرخِ کہن ہوجا
تو گو احباب کی محفل میں بن کر جامِ کوثر ہے
صفِ اعداء میں لیکن اژدہائے صد دہن ہوجا
دمِ آرام ہے تو گل بدن گو بسترِ گل پر
جو وقتِ رنج و محنت ہو تو بس فولاد تن ہوجا
وِضاحت کرنی گر مقصود ہے مفہومِ مسلم کی
تو بس اپنی کتابِ سلف کی شرحِ متن ہوجا
تو محوِ خواب ہے جاگ اٹھ ترے سر پر غنیم آیا
کمالِ مصطفیٰ(۱) بن کے تو قربانِ وطن ہوجا
بہار آئے گی البتہ ترے باغِ ارادت میں

(۱) ترکی کے حکمراں مصطفیٰ کمال پاشا (اتاترک)

تو پائے استقامت کو لیے سروِ چمن ہوجا
ابھی پرواز کے دن ہیں پرِ پرواز پیدا کر
فضائے جہد میں اڑ کر کے پروین و پرن ہوجا
خزف بن کر رہے گا پڑ کے خاکِ جہل میں کب تک
صدف میں تربیت کے پل کے تو دُرِّ عدن ہوجا
زمیں سے آسماں تک تیری خوشبو سے گمک اٹھے
زمانے میں سراپا اب تو مشکِ علم و فن ہوجا
چراغِ طاقِ بستانِ فلک ہوگا یقیناً تو
فروغِ انجم کی مانند ، ہاں اے جانِ من ہوجا

ہندوستانی مسلمان

زندگی مثلِ بہائم کے ہے انساں ہو کر
طوق پہنا ہے غلامی کا مسلماں ہو کر
آہ! دنیا میں جو آیا تھا حکومت کے لیے
آج ہے ہند میں محکومِ غلاماں ہوکر
ٹیکتا ہے وہ درِ غیر پہ آ آ کے جبیں
بندگی کرنے میں مجبور ہے سلطاں ہوکر
وائے قسمت کہ عجب وقت نے پلٹا کھایا
پنجۂ مور میں بے بس ہے سلیماں ہوکر
ظلمتِ کفر میں کیوں مات ہے ایمان کا نور
کب چھپا سایہ تلے مہرِ درخشاں ہوکر
عقل باور نہیں کرتی ہے، ہوا یہ کیوں کر ؟
خود ہی لٹ جائے؟ جو آیا ہو نگہباں ہوکر
آ گئی بات سمجھ میں جو کیا غور ذرا
ورنہ حیرت تھی پڑی سر بگریباں ہو کر
شکوۂ غیر عبث "کردۂ خویش آمد پیش"
پھل ہے یہ اپنے ہی کرتب کا نمایاں ہو کر
تو نگہباں سہی، لیکن تجھے خفتہ پاکر
آ گیا دزد ترے سر پہ نگہباں ہو کر
تیرا خورشیدِ عمل کر جو گیا تجھ سے غروب

سامنے روزِ سیہ آیا نمایاں ہوکر
شمعِ ایماں میں تری روغنِ اخلاص نہیں
بے فروغ اس لیے ناچار ہے گلداں ہوکر
اتفاقِ بھی کا جو وہ خاتم گم ہے
فائدہ کیا ہو بھلا صرف سلیماں ہوکر
تو فقط نام کا ہے، کام کا سلطاں کب ہے؟
بن گیا خود سے گدا بندۂ احساں ہو کر
سلطنت اس کی، جو رہتا ہو نڈر موت سے بھی
تو، تو سایہ سے بھی رہتا ہے ہراساں ہوکر
قیدیِ زلفِ گرہ گیرِ ایاز ، اے محمود!
تو بنا جب سے، رہا ہند بھی زنداں ہوکر
تو مسلماں ہے تو پھر تجھ میں وہ اسلام کہاں ؟
غیر کا دست نگر صاحبِ برہاں ہو کر
اہلِ تثلیث کا خوگر ہے کرے لا پہ عمل
حاملِ دینِ متیں، عالمِ قرآں ہوکر
حریّت کا جو نہیں خون رگوں میں پیدا
خوش رہے کیوں نہ غلامی میں بھی نازاں ہو کر
نوبت اس کی ہے کہ تو خالدِ جانباز بنے
تیری تلوار نکل آئے تو بُراں ہوکر
چومیں گے بخت ترے ہاتھ تو اقبالِ قدم
چرخِ ہمت پہ چمک نجم فروزاں ہوکر

نرالا غمگین

ایک دن جو جانبِ صحرا ہوا میرا گزر
دامنِ صحرا میں اک خوشرو جواں آیا نظر
اس کی رخشندہ جبیں سے نورِ حق تھا جلوہ گر
عارضِ تاباں تھے اس کے یا کہ تھے شمس و قمر
رنگ و روپ اس کا کہوں کیا جانِ من بر وے فدا
تھا سراپا حسن اور خوبی کے سانچے میں ڈھلا
سر بہ زانو تھا مگر بیٹھا ہوا اندوہ گیں
ہوتی تھی اس کی نظر ہرگز کسی جانب نہیں
چہرۂ انور پہ رہ رہ کر کے ملتا آستیں
گنگناتا تھا کچھ آہستہ بہ آوازِ حزیں
آنسوؤں سے اپنے وہ ہردم بھگوتا تھا زمیں
لختِ دل رو رو کے اس کی دونوں آنکھیں سرخ تھیں
میں نے پوچھا تو فرشتہ ہے کہ جن ہے یا بشر
کون ہے؟ کچھ تو بتا بھی اے مرے نورِ نظر
رنج کیا پہنچا تمہیں، ہے کس لیے خستہ جگر
کیوں یہاں تنہا پڑا ہے خانماں کو چھوڑ کر
چشم تر کیوں موتیوں کی ہے لڑی لائی ہوئی
کون سی آفت مصیبت تجھ پہ ہے آئی ہوئی
چونک کر دیکھا تو پایا سامنے مجھ کو کھڑا

اٹھ کے بس برجستہ وہ مجھ سے لپٹ ہی آ پڑا
سسکیاں لیتے ہوئے پھر یوں ہوا نغمہ سرا
میں فرشتہ ہوں نہ جن ہوں اور نہ کوئی تیسرا
حق کا اک پیارا دلارا بندۂ معصوم ہوں
بندگانِ حق کے ہاتھوں سے مگر مظلوم ہوں
کہتے ہیں اسلام جس کو میں وہی اسلام ہوں
نام کو تھا فخر جس سے میں وہ اہلِ نام ہوں
اب و لیکن پائمالِ گردشِ ایام ہوں
جس پہ ناکامی بھی چار آنسو بہے وہ ناکام ہوں
پھٹ رہا ہے سینہ دردِ دل عیاں کرتے ہوئے
قصۂ رنج و الم اپنا بیاں کرتے ہوئے
شان سے خالق نے مجھ کو دہر میں پیدا کیا
مدتوں تک ناز اور نعمت سے میں پالا گیا
کیا کہوں اب کے زماں والے نے مجھ سے کیا کیا
ہر طرح کی ذلتیں دیں در بدر رسوا کیا
چاہنے والے مرے سب غیر کے شیدا ہوئے
پاؤں سے ٹھکرا کے مجھ کو مجھ سے بر گشتہ ہوئے
ہے بجا گر رات دن اس درد میں رویا کروں
یونہی رو رو کر کے دل سے گردِ غم دھویا کروں
حال پرسی کو مری رسوا رہا کوئی نہیں
چند ٹوٹے پھوٹے ہوں گے بھی تو ہیں چھپ کر کہیں

مسلمانوں کا ماضی، حال اور راہِ نجات

ذرا ماضی کو اپنے یاد میں لاؤ مسلمانو!
ابھی تم ہو گئے کیا؟ حال کو بھی اپنے پہچانو
کبھی تھا ایک دن وہ بھی کہ تم ہی وہ مسلماں تھے
جو بر و بحر میں فرمانروائے دین و ایماں تھے
تمہارا ہی پھریرا اڑرہا تھا بامِ گردوں میں
تمہارا ہی تو ڈنکا بج رہا تھا دشت ، ہاموں میں
تم ہی تو ڈال کر گھوڑوں کو دریا پار اتر تے تھے
اجل سے جان جی پر کھیل کر تم ہی تو لڑتے تھے
تمہارے نام سے روئے زمیں سارا دہلتا تھا
مثالِ موم پتھر کا کلیجہ بھی پگھلتا تھا
صداقت اور دیانت میں بھی تم یکتائے دوراں تھے
رضاجوئی حق میں جان تک دینے کو قرباں تھے
خطابِ **انتم الاعلون** کا مرجع تو تم ہی تھے
وہ کنتم خیر أمة کا بھی مصرع تو تم ہی تھے
تم ہی تو تھے **اشداء علی الکفار** کا مظہر
تم ہی تو تھے **رحماء بینھم** کا خوش نما پیکر

تم ہی تو ساتھ اپنے امن کا پیغام لائے تھے
اور ان الــدیــن عــنــد الــلــــہ کا اسلام لائے تھے
تمہارا ہی تو دستور العمل قرآن ہوتا تھا
سر آنکھوں پر رسول اللہ کا فرمان ہوتا تھا
خدا کے واسطے تم سب کا کھانا اور پینا تھا
خدا کے واسطے تم سب کا مرنا اور جینا تھا
اوامر کے بجالانے میں تم مسرور رہتے تھے
نواہی سے سدا بچ کر کے کوسوں دور رہتے تھے
بتاؤ ایک بھی ان میں سے کوئی آج تم میں ہے؟
گزشتہ دور کا کچھ بھی بھرم اور لاج تم میں ہے ؟
حقیقت یہ کہ ساری خوبیاں ہیں آج افسانہ
نظر آتی ہے اک اک چیز تم سے آج بیگانہ
تمہارا اب عمل ہے نفسِ امّارہ کی خواہش پر
ہوا و حرص یا بغض و حسد کی جملہ سازش پر
یہ قرآں جب سے رکھ چھوڑا ہے تم نے طاقِ نسیاں پر
تمہارا ذوقِ عصیاں آگیا ہے بڑھ کے طغیاں پر
صداقت اور دیانت کا نہیں کچھ بھی نشاں تم میں
مگر ہاں افترا و کذب ہیں کافی عیاں تم میں

کہاں اسلام باقی اب کفر و شرک نازاں ہیں
درندہ بن کے ہر اک تیز ناخن تیز دنداں ہیں
بلندی سے لُڑھک کر آکے ٹھہرے قعرِ پستی میں
گئی سر سے وہ بیداری پڑے ہیں آج مستی میں
کلیجہ بلبلوں کا آگیا ہے شیروں کے سینے میں
صفت پتھر کی پیدا ہو گئی ہے آبگینے میں
شتربان فیلباں اب بن کے تم گمنامِ عالم ہو
اُڑے جاتے ہو اب پھونکوں میں وہ اولادِ آدمؑ ہو
تمہارا اب پھریرا اڑ رہا ہے خانہ جنگی میں
بجا کرتا ہے ڈنکا رات دن اب جاں بہ تنگی میں
غرض تم اب فقط کہنے کو اہلِ دین و ایماں ہو
کھڑی ہنستی مسلمانی ہے جن پر وہ مسلماں ہو
ضررت ہے کہ تم میں علم بھی ہو اور عمل بھی ہو
تمہارے نخل بن میں پھول بھی ہو اور پھل بھی ہو
تمہارا علم دنیا میں نمایاں ہو علَم بن کر
عمل بھی ہو تمہارے ساتھ قدرت کا قلم بن کر
ضرورت ہے کہ اب تم چونک اٹھو خوابِ غفلت سے
تمہارا بخت تم پر رورہا ہے یاس و حسرت سے

ایمانی منظر

اللہ اللہ، کس قدر تھی شانِ تسلیم و رضا
حلق پر بیٹے کے تھا خنجر خلیل اللہ کا
سامنے حکمِ خدا کے کچھ نہ آتا تھا نظر
گرچہ تھا پیشِ نظر مکھڑا ذبیح اللہ کا
اہلِ ایماں کے لیے ہرہر قدم پر طور ہے
دیکھ لے آکر کوئی رتبہ کلیم اللہ کا
قم باذنی سے یہاں مردہ بھی یکدم جی اٹھا
قم باذنی میں اثر ہے قم باذن اللہ کا
مرحبا صل علیٰ کیا ہیں غلامانِ نبیؐ
معجزہ بن کر کے ہیں ہر ایک روح اللہ کا
ہے کسی کو آج گر مقصود بن جانا حبیب
دل سے وہ دیوانہ بن جائے حبیب اللہ کا
نجم گر تو ہے تماشائی حسنِ لم یزل
ہاتھ سے دامن پکڑ مضبوط اہل اللہ کا

پیامِ غم، ماہِ محرم

ورودِ سالِ نو، یا آمدِ ماہِ محرّم ہے
شہیدِ کربلا کی یاد میں اک تازہ تر غم ہے

پیامِ غم عجب یہ ماہ اپنے ساتھ لایا ہے
مسلمانوں میں گھر گھر، ہائے برپا آج ماتم ہے

حسینؓ ابن علیؓ کی یہ شہادت کا مہینہ ہے
جسے اب دیکھئے اندوہ گیں با چشمِ پرنم ہے

ہماری اشک ریزی پر نہیں موقوف یہ ماتم
فلک کی بے شمار آنکھوں سے گرتا اشکِ شبنم ہے

بہا کر اپنا خوں باطل پرستی کو مٹا چھوڑا
سرِ تسلیم اہلِ حق رہِ حق میں سدا خَم ہے

لُٹا کر اپنے گھر کو کر دیا اسلام کو زندہ
صداقت کا سبق ہم کو پڑھایا کیا یہ کچھ کم ہے

خدا کا ہو درود ان پر ہمارا ہو سلام ان پر
مقدس ذات ان کی دونوں عالم میں مکرّم ہے

یزیدِ ناخلف نے ظلم ڈھا کر کیا کیا آخر
مٹا حرفِ غلط کی طرح خود دنیا سے یکدم ہے

جہاں بھی دیکھئے سو لعنتیں اس پر برستی ہیں
عدم کے ملک میں وہ چت پڑا بے یار و ہم دم ہے

مٹانے پر کسی کے کوئی ظالم جب کہ تُلتا ہے
وہ خود مٹتا ہے بے نام و نشاں ہوکر مسلّم ہے

ہے محرم کا ماہ، غم کا پیام

آپ پر اے حسینؓ لاکھ سلام
کیونکہ ہیں آپ ہم سبھوں کے امام
آپ کی ذات سیدالشہدا
ایسے سید پہ ہوں کروڑ سلام
آپ وہ رہروِ صداقت ہیں
جن سے زندہ، صداقتِ اسلام
کھائے زخم اتنے، پر نہ اُف تک کی
جس کو کہتے ہیں صبر، اِسی کا نام
جان دی، پر دیا نہ ہاتھ سے دیں
واہ! کیا دین دار امامِ ہمام
آپ سجدے میں، تیغ گردن پر
جان جاتی ہے، منھ پہ حق کا نام
حشر تک ہر برس ہمارے لیے
ہے محرم کا ماہ، غم کا پیام
بھیج رسوا تو ان پہ لاکھ درود
ان کے قاتل کو، لاکھ دے دشنام

یوں نماز اپنی ادا ہونے لگے

یا الٰہی جب نماز اپنی ادا ہونے لگے
دل مرا ہر رکن میں تجھ پر فدا ہونے لگے

ہاتھ جب تکبیرِ تحریمہ میں کانوں تک اٹھیں
روح سے اللہ اکبر کی صدا ہونے لگے

جب زباں مصروف ہو اپنی، تری تحمید میں
ہر بُنِ مو سے تری حمد و ثنا ہونے لگے

آیتوں کی فاتحہ کے ساتھ جب قرآت کروں
بے خودی کا ولولہ دل میں بپا ہونے لگے

جھکتے ہی سر، دل بھی جھک جائے مرا وقتِ رکوع
مرمٹوں سجدے میں دم اپنا فنا ہونے لگے

سامنے تیرے کھڑے ہونے کو میں سمجھوں قیام
دھیان میں تیرے قعود اپنا ادا ہونے لگے

بندۂ رسوا ترا پھیلائے جب دستِ دعا
دل میں رونا آنکھ میں آنسو، دعا ہونے لگے

پیرومرشد

مشعلِ بزمِ شریعت حضرتِ حامد حسنؒ
چشمۂ فیضِ طریقت حضرتِ حامد حسن

کیوں نہ ہو روشن مریدوں میں جہانِ معرفت
مظہرِ نورِ حقیقت حضرتِ حامد حسن

آپ کی تلقین میں روحانیت ہے موجزن
قلزمِ عشق و محبت حضرتِ حامد حسن

سیرتِ احمدؐ نمایاں آپ کے اعمال میں
پیکرِ اخلاقِ سنت حضرتِ حامد حسن

آپ کا دم روحِ ایماں قالبِ اسلام میں
تازہ دارِ دین و ملت حضرتِ حامد حسن

ہیں تو جلوت میں بشر لیکن ہیں خلوت میں ملک
نیک صورت پاک سیرت حضرتِ حامد حسن

زائرِ حرمین ہوکر بن گیے سلمانِ ہند
داخلِ ابوابِ جنت حضرتِ حامد حسن

پیرِ پیرانِ زماں پیر و جواں کا دست گیر

بایزیدِ وقت و ہمت حضرتِ حامد حسن
حافظِ قرآن و شیخِ عالم و تفسیر داں
قطبِ دنیائے زراعت حضرتِ حامد حسن
کاشفِ اسرار ہیں اور واقفِ جملہ رموز
عارفِ کامل طریقت حضرتِ حامد حسن
یادگارِ خوانِ ابراہیمؑ ہے خوانِ کرم
مرحبا شانِ سخاوت حضرتِ حامد حسن
آستانے پر مریدوں کا ہے ہردم جمگھٹا
درکشائے خوانِ نعمت حضرتِ حامد حسن
گنجِ مقصد شاہ گنج اور کوہنڈا گنجِ مراد
سارے اعظم گڑھ کی عظمت حضرتِ حامد حسن
لوگ تو سو سو طرح سے ہر طرف ہیں فیضیاب
ایک میں ہوں وقفِ حسرت حضرتِ حامد حسن
کاش ہو میری طرف چشمِ توجہ ایک بار
کٹ چکے ایامِ غفلت حضرتِ حامد حسن
نجمؔ بھی ساغر بکف آیا ہے اب پیشِ حضور
دیجئے بھر اپنی الفت حضرتِ حامد حسن

شاعر(۱)

ماشاء اللہ کیا تماشا ہے دلِ اہلِ سخن
ایک نقطہ سا مگر اس میں سمندر موجزن

مخزنِ اسرار کی کنجی سخن ور کی زباں
جس سے کھل پڑتے ہیں صد گنجینہ ہائے علم و فن

خامۂ مشکیں ہے یہ یا ابرِ آذر ہے کوئی
جس سے دم میں صفحۂ قرطاس بنتا ہے چمن

خندۂ دنداں نما سے کرتے ہیں یہ ذکرِ خار
پھول دیتے ہیں کھِلا یہ باندھ مضمونِ دہن

نافۂ آہو کو نافِ طبع سے دیتے سبق
ان کا کاشانہ ہے رشکِ دشتِ تاتار و ختن

سب کی دنیا سے مگر شاعر کی دنیا ہے الگ
تازہ تر اک زندگی ہے عالمِ شعر و سخن

ہر نظر ہے ان کی غور و فکر کا روشن جہاں
بات ہے ان کی ہر اک شرحِ حقیقت کا متن

ان کا دل دریا ہے سو معنیِ مد و جزر کا
جس کے آگے ایک چھوٹا بُلبُلا چرخِ کہن

ان کی ہمت کے مقابل پست ہے ہمالہ بھی
مات ہے رقت سے ان کی رقتِ گنگ و جمن

گو تنک تابی کا ہم معنی فروغِ نجم ہے
کیا نہیں ہے؟ رہنمائے رہروِ شمسِ زمن

شاعر (۲)

شاعر کا دل بھی کوئی دفتر کھلا ہوا ہے
مضمون ہر طرح کا جس میں سجا ہوا ہے
ماضی کی داستانیں تم آکے اس میں پڑھ لو
تفصیل وار قصہ جس میں لکھا ہوا ہے
حالات حال کے بھی چاہو جو دیکھنے تم
جامِ جہاں نما یہ یکدم بنا ہوا ہے
مستقبل آکے جس کو ہو شوق دیکھنے کا
پہلو میں آئینے کا منظر لیا ہوا ہے
چپکی سی بات والو! شاعر کے دل سے ڈرنا
ہر عُقدہ اس کے آگے حل ہی کیا ہوا ہے
اے نجمؔ! خود ستائی ہرگز نہیں ہے اچھی
صائبؔ(۱) کا یاد کیجیے مصرع کسا ہوا ہے

(۱) صائبؔ فارسی کے معروف شاعر ہیں ان کا مصرع ہے:
ثنائے خود بخود گفتن تر ازیبا نمی صائبؔ! (مرتب)

دیدۂ تحقیق

خدا کی ذات گو ہر چند عیبوں سے مبرّا ہے
برائی اور بدکاری سے بھی پاک اور منزّہ ہے
مگر افسوس لوگوں نے تو ان کو بھی نہیں چھوڑا
خیال اور وہم کے میدان میں دوڑا دیا گھوڑا
کوئی تو حضرتِ عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہتا ہے
ملائک کو بھی کوئی بس بنات اللہ کہتا ہے
کوئی تو ایک کو دو اہرمن یزدان کہتا ہے
کوئی تثلیث یعنی تین کو ایمان کہتا ہے
کوئی کھلّم ہی کھلاّ ذاتِ واجب کا ہے منکر بھی
وہی کہلا یا پھر جاتا ہے دنیا میں مدبر بھی
زبانِ خلق سے بچنا خدا کو جب نہیں ممکن
رہے ستھرا کوئی کیچڑ میں پڑ کر ہے کہیں ممکن؟
نمازیں پڑھ کے میخانے سے کوئی گر نکلتا ہے
تو بس اس کے شرابی ہونے کا ہی سکہ چلتا ہے
جو تسبیح اور مصلا لے کے بت خانے میں رہتا ہے

بتوں کو سجدہ کرنے کا اسے الزام لگتا ہے
اگر کعبے میں جاتا ہے کوئی عبد الصنم ہوکر
تو وہ مشہور ہوتا زائرِ بیت الحرم ہو کر
اگر شیطان بھی انسان کی صورت میں ہوتا ہے
کسی کا قبلہ اور کعبہ ہی وہ عزت میں ہوتا ہے
اگر یوسفؑ کہیں سے دیو کا ہیکل پہنتے ہیں
جہاں بھی دیکھتے ہیں لوگ ان کو خوف کھاتے ہیں
جمالِ یوسفیؑ اک بھوت ہے چشمِ عداوت میں
پرستاں کی پری کتیا بھی ہے چشمِ محبت میں
اگر مومن ہے کامل دیدۂ تحقیق حاصل کر
نہ اپنے کو سدا وقفِ گمان و وہمِ باطل کر

امراء و رؤساء

ہے پلّہ سب سے غالب تر زمانے میں امیروں کا

جہاں بھی دیکھئے طبقہ ہے بالا تر رئیسوں کا

یہی بھوکے پیاسوں کو کھلاتے ہیں پلاتے ہیں

یہی ننگوں کو آئے دن اوڑھاتے ہیں پنھاتے ہیں

رفاہِ عام میں اکثر انہی کے ہاتھ ہوتے ہیں

یہی غمدیدگوں کے دل سے نامِ غم کو دھوتے ہیں

دلاتے ہیں یہی تو داد اکثر داد خواہوں کو

علاجِ دردِدل انہی سے حاصل درد مندوں کو

انہی سے زندہ اب تک نام دنیا میں سخاوت کا

انہی سے گرم کچھ بازار ہے اب تک مروت کا

کھُلا انہی کے گھر میں رات اور دن خوانِ یغما ہے

انہی کی قدردانی سب کے حق میں لطف فرما ہے

عوام الناس کا ہر کام میں اگوا یہی بنتے

مفادِ عام کا دنیا میں ایجنڈا یہی بنتے

یہی تو قوم کو سُلجھا کے رستے پر لگاتے ہیں

رفاہِ عام میں چندے یہی دیتے دلاتے ہیں

انہی کے دم سے اپنی قوم کی ہے قومیت قائم

دعائے نجم ہے دنیا میں دم ان کا رہے دائم

عوام الناس

حین قیام مدرسہ الٰہیہ، بیسا، نزد شیشہ باڑی، (پورنیہ)

کوئی خوش فہم تو بن کر مریدِ جامِ مُلاّ ہے
عقیدت کا یہ طوطا رام اسیرِ دامِ مُلاّ ہے
جو ناجائز بھی مُلاّ جی اسے جائز بتاتے ہیں
تو یہ اندھے عقیدت کے اسے کرہی دکھاتے ہیں
کوئی ہے مفت خور ارزاں طلب ایسا زمانے میں
کہ مذہب کر لیا ہے اپنا بالکل مفت کھانے میں
نتیجہ آخرش اس مفت خواہی کا یہی ہوتا
اسے سستا سے سستا چاہنے کا پھل یہی ملتا
کہ وقعت کی نگاہوں سے وہ دیکھا ہی نہیں جاتا
بالآخر خالی دامانی سے اپنی ہے وہ پچھتاتا
اسے تعلیم کی مد میں خرچنے کو بخار آتا
کہیں دس پانچ لگ جاتے تو بس یہ دل فگار آتا
کوئی تو دیکھا دیکھی پر قدم آگے بڑھاتا ہے
منافع دیکھا دیکھی پر اگر وہ کچھ اٹھاتا ہے

تو فوراً ہو کے گرویدہ سدا وہ کام کرتا ہے
ہمیشہ دامنِ امّید اپنا یونہی بھرتا ہے
ضرورت ہے سبھوں کو علم سے آراستہ ہونا
ہنر کے جامۂ رنگین سے پیراستہ ہونا
یہی علم و ہنر تو آج طیارے اڑاتے ہیں
یہی علم و ہنر بم باریاں کرتے کراتے ہیں
انہی علم و ہنر کی آج دنیا میں حکومت ہے
جہاں علم و ہنر کچھ بھی نہیں کیا خاک عزت ہے؟
نہیں بننا بنانا ہے گریجویٹ اور اگر فاضل
ضروری کیا نہیں؟ اپنی ضرورت کے بنیں قابل
''پگھلنا علم کی خاطر مثالِ شمع زیبا ہے''
''بغیر اس کے نہیں پہچان سکتے ہم خدا کیا ہے''
بغیر اس کے نہیں بچ سکتے ہم دامن درازوں سے
فرشتہ صورت اور شیطان سیرت چال بازوں سے
بغیر اس کے تمیزِ حق و باطل ہو نہیں سکتی
بغیر اس کے ہمیں تحقیق حاصل ہو نہیں سکتی

بغیر اس کے نہیں چل سکتے گھر کے کام اور دھندے
حرج ہی کیا اگر لگ جائے کچھ اس کام میں چندے
الٰہیہ ادارہ ہے کھلا نامِ الٰہی پر
کمر بستہ ہے ہردم سب کی خدمت خیر خواہی پر
یہاں اک تجمؔ کیا معنی کہ ہیں شمسؔ و قمرؔ تاباں
زمینِ شیشہ باڑیؔ جن سے ہے افلاک پر نازاں
علاوہ اس کے ہیں قربانؔ کی قربانیاں اس میں
نمایاں عظمتِ بیساؔ کی شانِ بے نشاں اس میں
جلیلؔ و بو نصرؔ اور بو ظفرؔ کی خاصہ فیاضی
نہیں کم میمنتؔ صاحب کی بھی پُر کیف مؤاجی
نذیرؔالدین شاخِ پُر ثمر کا نام کیا کہنا
کہ ان کے لعل و گوہر کا یہیں رہنا یہیں سہنا
یہ سب کے سب سپہرِ لطف کے بس ماہ پارے ہیں
یہاں کے آسمانِ بخت کے روشن ستارے ہیں
انہی کے فیضِ کوشش سے ہوا یہ مدرسہ قائم
کہ جو آباد روز افزوں ترقی پر رہے دائم

چمن ہے علم و فن کا مدرسہ، یہ اس کے مالی ہیں
طلب گارانِ علم و فن عنادل ڈالی ڈالی ہیں
انہی کی آبیاری کی بدولت یہ بہار آئی
انہی کی جنبشوں سے یہ نسیمِ خوشگوار آئی
الٰہی اس چمن کو ہاں سدا آباد رکھنا تو
سبھوں کو اس چمن کی دید سے دلشاد رکھنا تو
فروغِ نجؔم سے اطراف میں بالکل اُجالا ہو
یہ رونق جملہ تن ارکان کے دم سے دوبالا ہو

طالبِ علمی

طلب ہے علم کی تو علم کا پروانہ بن جاؤ
یہ غفلت چھوڑدو سستی سے بس بیگانہ بن جاؤ
تڑپ گر کچھ حصولِ علم کی دل میں تمہارے ہے
تو تم تدریس اور تلقین کا دیوانہ بن جاؤ
حقیقت میں تو ہے علم و ہنر انسان کا جوہر
یہ جوہر کرکے حاصل شوق سے فرزانہ بن جاؤ
اگر مستی تمہیں درکار ہے دنیائے ہستی میں
شرابِ علم سے مخمور اور مستانہ بن جاؤ
بنا کر دل کو اپنے جام و ساغر کی طرح ہر دم
طلب گارِ مُغِ میخانہ و خُم خانہ بن جاؤ
اگر مقصود ہے مجلس میں آجائے کوئی ساقی
تو بس اپنی ارادت کو لیے پیمانہ بن جاؤ
تمہارا نجمؔ ہوگا مشتری بازارِ عالم میں
صدف میں تربیت کے پل کے تم دردانہ بن جاؤ

ہجومِ تمنا

یارب مرے الفاظ میں کچھ ایسا اثر ہو
نکلیں جو کبھی منہ سے تو بس دل ہی میں گھر ہو
ہرجوش طبیعت کا مری موج ہی پر ہو
جس سیپ سے موتی ہی جھریں دیدۂ تر ہو
ظاہر سے گزر کر کے حقیقت پہ نظر ہو
ہو داہنے گر شمس تو بائیں بھی قمر ہو
ہو ایسی کرامت کہ حضر میں بھی سفر ہو
ہو طرفہ سفر جس میں ہمیشہ ہی حضر ہو
رفتار میں ہر گام قیامت کی خبر ہو
ہر سانس حرارت میں جہنم کا شرر ہو
دامن میں بھرا پارۂ دل لختِ جگر ہو
سو جانِ الم ناک لیے پیشِ نظر ہو
بچھڑے ہوئے مل کر کے بہم شیر و شکر ہو
اک برج میں پھر نجم ہو اور شمس و قمر ہو

شکستہ دل کی آواز

کیا ہنسوں، بولوں، کسی سے دل میں پیدا درد ہے
ہر نفس، ہر سانس اپنا، اک اک آہِ سرد ہے
آہ! میں کیوں کر کہوں، دل کس طرح رنجور ہے
شیشہ اک پتھر سے ٹکرا کر کے چکنا چور ہے
اُف رے اُف! صدمات کا دریا ہے کیسا جوش پر
لہر بن کر لختِ دل، آنکھوں میں آتے ہیں اتر
لوگ کہتے ہیں کہ سو کعبہ سے بھی بہتر ہے دل
دنیا اور دنیا کی ساری چیز سے خوش تر ہے دل
توڑ کر دل کو کوئی اخلاق سے باہر نہ ہو
خانۂ کعبہ کو ڈھاکر یک بیک کافر نہ ہو

گنگناہٹ

اللہ اللہ، کیا یہ میری خوبیِ تقدیر ہے
باعثِ تخریبِ قسمت میری ہر تدبیر ہے
سامنے موجود الٹی خواب کی تعبیر ہے
حرفِ مایوسی ہر اک امیّد کی تفسیر ہے
موردِ صد طعن ہوکر شوخیِ تحریر ہے
مرکزِ صد عیب بن کر چستیِ تقریر ہے
معنیِ تذلیل لے کر صورتِ توقیر ہے
جس پہ سو تضحیک صدقے ہیں مری تصویر ہے
شکریہ اس قدر دانی کا ہو کن الفاظ میں
جاں فشانی پر بھی عائد نجمؔ پر تقصیر ہے

دورنگی

جس عمل میں روحِ اخلاص و ارادت ہی نہیں
بالیقیں اس میں کچھ اُمّیدِ افادت ہی نہیں

اونچے دعوے، قول میں لیکن صداقت ہی نہیں
نام کے اس سعد کو حاصل سعادت ہی نہیں

مردِ مومن ہے تو قول و فعل میں یک رنگ ہو
اس دورنگی میں تو کچھ حسنِ شہادت ہی نہیں

فعل غالب قول پر ہے کامل الایمان کا
لاکھ سجدے ہوں منافق سے عبادت ہی نہیں

درمندی چاہئے بیمارپرسی کے لئے
درد جب دل میں نہیں، ہوتی عیادت ہی نہیں

فائدہ کیا قائدِ اعظم کا حاصل ہو خطاب
قوم مٹھی میں نہیں ہے تو قیادت ہی نہیں

نجم! دورنگیِ عالم کا یہ شکوہ ہے عبث
آپ میں خود جب کہ یک رنگی کی عادت ہی نہیں

عکس دلِ مجروح

ہائے ٹوٹا، وہ پیالہ، آہ! وہ ساقی نہیں
پینے والے کو بھی پینے کی ہوس باقی نہیں
سرد ہی اب دل کی وہ ساری امنگیں پڑ گئیں
جس قدر زندہ امیدیں تھیں وہ رخصت کر گئیں
خونِ دل جن کے لیے بن کر پسینہ بہہ گیا
اُن کا ہر انداز دل میں نقش ہو کر رہ گیا
سامنے منہ کے تو ہر اک خوش نما دلدار ہے
پیٹھ پیچھے گُرگ کے مانند بس خوں خوار ہے
حاش للہ کیا زمانہ اب وفاداری کا ہے
رنگ غم خواری میں پوشیدہ دل آزاری کا ہے
بھیس ہر اک کا بظاہر دیکھنے میں خوب ہے
زیرِ جامہ کس طرح مبروص تن محجوب ہے
دیکھ کر زنگی نے آئینے میں اپنے منہ کا رنگ
سمجھا خود اچھے ہیں لیکن آیا آئینے میں زنگ
آج کل حسنِ عقیدت کا یہی جب حال ہے
نجمؔ بھی کہتا ہے، جیسا دام ویسا مال ہے

پرواز و انحطاطِ پرواز

دب گیے سب ولولے، وہ حوصلہ جاتا رہا
رات اور دن کا وہ علمی مشغلہ جاتا رہا
دیکھ کر بد شوقیاں زندہ دلی جاتی رہی
دل سے وہ مشقِ سخن کا سلسلہ جاتا رہا
دفترِ انشا سپردِ طاقِ نسیاں ہوگیا
خامہ فرسائی کا سارا مرحلہ جاتا رہا
اللہ اللہ، شوقِ انسانی کو اب کیا ہوگیا
علم و فن کا شغل جو تھا برملا جاتا رہا
تجمّل کو حاصل ہو کیا اب خوابِ نوشیں کے مزے
جب کہ سر سے نشّۂ دو منزلہ جاتا رہا

یادِ ماضی

آہ! وہ کیا دور تھا جب کوئی رنج و غم نہ تھا
چین کی تھی زندگی بچپن کا وہ عالم نہ تھا
سر پہ سایہ شانِ رحمت بن کے تھا ماں باپ کا
دل میں کوئی درد و فکرِ چارۂ و مرہم نہ تھا
میر زائی دھاک تھی چاروں طرف بیٹھی ہوئی
سامنے چون و چرا کر لے کسی کا دم نہ تھا
آستانہ تھا امارت کا کچھ اونچا اس طرح
غیر کا وہم و گماں تک بھی جہاں محرم نہ تھا
خواب و خور تھا رات دن ہر وقت اطمینان کا
نام کو بھی کچھ گمانِ درہم و برہم نہ تھا
اللہ اللہ، قوتِ سر پنجگی کے سامنے
امتیاز و قدرِ دست و بازوِ رستم نہ تھا
جب حوادث کی خزاں آئی چمن ہی لٹ گیا
انقلاب اے نجم آخر موت سے کچھ کم نہ تھا

دیدۂ بینا لیے ہوئے

آئے ہیں ہم جہان میں کیا کیا لیے ہوئے
پہلو میں اپنے اک دلِ جویا لیے ہوئے

دل میں فروغِ حسنِ تجلی لیے ہوئے
حدِّ نظر میں لطفِ تماشا لیے ہوئے

ہم آستانِ ناز پہ کیا خوب آگئے
اندر جبینِ نیاز کا سجدہ لیے ہوئے

کچھ مست سا پڑے ہیں ندائے الست پر
کانوں میں شور قالو بلیٰ کا لیے ہوئے

اشیاء کی صورتوں میں کسی کی تلاش ہے
کچھ ڈھونڈتے ہیں دیدۂ بینا لیے ہوئے

ہر ذرہ آفتاب ہوائے طلب میں ہے
دامن میں اپنے شوق کی دنیا لیے ہوئے

بیجا نہیں ہے نجم کے دل کا بھی ولولہ
ہر شے ہے جب جہانِ تمنا لیے ہوئے

تلاشِ سخن شناس

سخن کی قدر ہو کیا، جب سخن شناس نہیں
ہیں قدردانِ سخن بھی تو اپنے پاس نہیں
یہ بات نفسِ حقیقت ہے کچھ قیاس نہیں
وہ کون دل ہے کہ بے ہم مذاق اداس نہیں
کوئی ہمیں نہ کریں دعوتِ سخن گوئی
درست جب کہ سخن فہم کا حواس نہیں
سخن وری کے لیے ہے سخن کی داد ضرور
فقط یہ واہ یہ تالی کوئی سپاس نہیں
خدا کا گھر ہے یہ دل توڑتے ہو کیوں ظالم!
خدا کا خوف ذرا، دل میں کچھ ہراس نہیں؟
غم ہی کو کھاتے ہیں خونِ جگر کو پیتے ہیں
یہی سبب کہ ہمیں بھوک اور پیاس نہیں
بتائیں نجم ! ذرا، بال پک گیے کیوں کر؟
ابھی تو آپ کا سن پورے بھی پچاس نہیں

ظاہر و باطن

ہے نمائش کی یہ دنیا منہ میں ایک اور دل میں ایک
آبِ دریا قعر میں ہے ایک اور ساحل میں ایک

اختلافِ حال ظاہر ہو چکا رفتار سے
ہر مسافر راہ میں ہے ایک اور منزل میں ایک

ایک ہی جلوہ مگر ہے دیکھنے میں مختلف
دشت میں ہے ایک اور ہے پردۂ محمل میں ایک

ایک ہی تو تھی تڑپ تغیر میں دو ہوگئی
خنجرِ قاتل میں ایک اور لاشۂ بسمل میں ایک

نجمؔ ! ذکرِ غیر کیا ہے، آپ کو بھی دیکھئے
آپ بھی خلوت میں ہیں ایک اور ہیں محفل میں ایک

زبانِ اردو

حین قیام مدرسہ تنظیمہ باراعیدگاہ، امور (پورنیہ)

فاتحِ ملک نہ کیوں کر ہو زبانِ اردو
شانِ اردو ہے زمانے میں نشانِ اردو
کس کی طاقت ہے کہ انگلی بھی دکھائے اس کو
کس کو معلوم نہیں؟ گرز و سنانِ اردو
جو عداوت پہ اتر آئے، ملے خاک میں وہ
ہیں جگر خوارِ عدو، تیر و کمانِ اردو
دشمن و دوست غرض سب میں چلا کرتی ہے
تیغِ ہندی ہے کوئی یا کہ لسانِ اردو
گفتگو کرتے ہیں اردو ہی میں گاندھیؔ، آزادؔ
شاہِ افغان کے گھر میں بھی زبانِ اردو
عربی ، فارسی اور ترکی و انگلش اس میں
جان ہے جملہ زبانوں کی زبانِ اردو
ترش بھی تلخ بھی ہے شیریں بھی اور نمکین بھی
مختلف طعم سے لبریز ہے خوانِ اردو

سفرۂ ہند میں معجون مرکب ہے یہ
کیوں نہ مرغوب ہو پھر سب کو زبانِ اردو
نظمِ تنظیمیہ کہتی ہے بہ آوازِ دہل
پرِ نیہ میں ہے ترقی پہ زبانِ اردو
نجمؔ ! با لہجۂ خوش پڑھ کے سنادے سب کو
ہند کی روحِ رواں ہے یہ زبانِ اردو

حقیقتِ اردو

اگر ہندوستاں، گلشن تو گلبن اس کا اردو ہے
اگر گل ہے تو اس کا رنگ اور بو صرف اردو ہے
اگر ہے کوئی محفل،اس میں روشن شمع اردو ہے
ہے قالب قومِ ہندستاں تو اس کی روح اردو ہے

نو بہار آنے کو ہے

اب تو بآرا عید گہہ میں نو بہار آنے کو ہے
گل کِھلانے کو نسیمِ خوش گوار آنے کو ہے
بالیقیں اب تو مہک اٹھے گی بآرا کی زمیں
نافۂ مشکِ ختن مشکِ تتار آنے کو ہے
پُرنیہ کے مدرسوں میں کیوں نہ یہ ممتاز ہو
جب یہاں ملکِ سخن کا تاج دار آنے کو ہے
مژدہ بادا مژدہ ہاں اے خاکِ بآرا عید گاہ
کائناتِ شعر کا پروردگار آنے کو ہے
خطۂ بآرا نہ کیوں کر روکشِ شیرآز ہو
سعدؔی و حافظؔ کی زندہ یاد گار آنے کو ہے
حاسدو! اب تم حسد کی آگ میں جلتے رہو
ایک فخرِ خانداں فخرِ دیار آنے کو ہے
ہاں کلیمؔ آنے کو ہے فرعون کی تخریب میں
ابنِ آزر بہرِ نمرود آشکار آنے کو ہے
حاسدانِ مدرسہ پر اب گریں گی بجلیاں

برق خامہ شاعرِ فطرت نگار آنے کو ہے
اب نہ آنا اوج پر پرواز میں تم طائرو!
ناوک اندازِ ادب بہرِ شکار آنے کو ہے
راکھ ہوں گے جملہ بدخواہانِ باآرا عید گاہ
نجم ثاقب، یا شہابِ شعلہ بار آنے کو ہے
نجم! کب تک استعارے اور تشبیہات ہوں
صاف کہئے، مدعا اب روبکار آنے کو ہے

ہندوستان (۱)

اڑتا ہے آج کون سرِ آسماں نہیں
قسمت کا مارا اک مگر ہندوستاں نہیں
غیرت کے ساتھ آہ ! کبھی غور کرتے ہم
ہم میں بجز غلامیِ انگلیستاں نہیں
اس دور میں ہماری ترقی کا حال یہ
ہوتا ہے گرم وقت پہ بھی دیگداں نہیں
پرواز ہے ہماری تو بس شاعری میں ہے
"جس سر زمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں"
کچھ بھی تو آنکھیں کھولتے ہندوستانیو!
بن جائے مرگ ہی کہیں خوابِ گراں نہیں
اے نجمؔ ہم ٹوٹے ہوئے تارے ہیں زمیں پر
سب جانتے ہیں حاجتِ شرح و بیاں نہیں

(۱) یہ نظم ہندوستان کی آزادی سے قبل لکھی گئی ہے قارئین کرام اسے اسی تناظر میں دیکھیں۔
(مرتب)

مدرسہ اسلامیہ قمر گنج کمھروا، بائسی

مرا دل فدائے قمر گنج ہے
کہ دل کش فضائے قمر گنج ہے
بہار آئی بستی کے چاروں طرف
یہ آب و ہوائے قمر گنج ہے
کمھروا کرے ناز جتنا، بجا
کہ دولت سرائے قمر گنج ہے
سڑک پر سے ہر اک اسے جھانکتا
خوشا کیا ادائے قمر گنج ہے
چلے آؤ تم طالبو! جُوق جُوق
یہ ہر دم صلائے قمر گنج ہے
جو کچھ روشنی ہے مضافات میں
وہ یکسر ضیائے قمر گنج ہے
بغاوت ہے کیوں؟ حاسدوں کو عبث
بھلا کیا خطائے قمر گنج ہے
خطا ہے اگر کچھ تو حاسد کی ہے

مُسلّم، عطائے قمر گنج ہے
مسافر بہت آتے جاتے، یہاں
یہ خوانِ سخائے قمر گنج ہے
کھنچے جا چلے آتے ہیں سب کے سب
کہ دل کش نوائے قمر گنج ہے
علاقے میں اب بھی ہیں سو مدرسے
کہاں یوں سوائے قمر گنج ہے
چمک یا کہ تابندگی نجمؔ کی
نہیں، یہ جلائے قمر گنج ہے

اردو لائبریری شیشہ باڑی

ہر طرف کیوں نہ بھلا نام ہو اس کا جاری
گامزن راہِ ترقی میں ہے شیشہ باڑی
یوں تو پہلے سے شرافت ہے یہاں کی طینت
جاہ و ثروت ہیں یہاں کے لیے وقفِ زینت
پٹنی داری بھی ہے اور شان کی کھیتی باڑی
دین داری کو لیے ساتھ ہے دنیا داری
ذوقِ تعلیم بھی اب اس پہ بڑھا کچھ ایسا
فی المثل کہنے کو سونے پہ سہاگہ جیسا
یہ اثر ہے اسی تعلیم کا ہاں ہاں بیشک
چاشنی کے لیے موجود ہے اردو کا نمک
آن میں ہوگئی اک لائبریری قائم
یا خدا اِس کی زمانے میں بقا ہو دائم
کوئی اردو کی یہ آراستہ دنیا دیکھے
دلّی، لکھنؤ کی زبانوں کا ذخیرہ دیکھے
واہ ! کیا اردو ترقی کی یہ تیاری ہے

تازہ تر لٹریچروں سے بھری الماری ہے
دیکھنے کو مدینہؔ بھی مسلماںؔ بھی یہاں
اہلِ ایماں کے لیے دفترِ ایماںؔ بھی یہاں
جامِ توحید لیے حضرتِ خیامؔ بھی ہے
کہکشاںؔ جلوہ گرِ گردشِ ایام بھی ہے
کامیابؔ آکے بنا کامیابی کا سبق
مرحبا لائبریری ہے کہ روحانی طبق
عیسوی سال مجھے مل گیا بے جستجو
شیشہ باڑی میں کھلا (ہے) باغ و بہارِ اردو (۱۹۴۳ء)

حبّذا کیوں نہ ہو تاباں ہیں یہاں شمسؔ و قمرؔ
کیا عجب چاندی ہر رات ہو دن روشن تر
حسنِ شمشاد و صنوبر ہیں عبیدؔ اور شعیبؔ
دونوں ہیں باغِ تمنا کے لیے زینت و زیب
اس ترقی پہ یہ اشعار نچھاور کرکے
نجمؔ کرتا ہے دعا، خوش رہو تم او لڑکے!

لبِ دریا...

لبِ دریا جو نندنیہ سے پچھّم شیشہ باڑی ہے
جہاں اب ہونہاروں کی مبارک پیداواری ہے
یہ دریا نیل، یہ موضع مقامِ مصر تھا اک دن
یہاں تھے اک عزیزِ نامور فرماں روا اک دن
ہوئے انہی کے گھر میں یہ جلیلِ نامور پیدا
کہ جن کے نام نامی پر جلال اقبال ہیں شیدا
کسی کے گھر میں اب تک چاند سورج کس نے دیکھا ہے
کسی نے آج تک کب اس طرح کا بخت پایا ہے
انہی کے گھر میں بن کر چاند یہ قمرالزماں آیا
انہی نے تو یہ سورج کی طرح شمس الزماں پایا
زمانے کا وجیہ آیا وجاہت لے کے ان کے گھر
مسیحِ دہر بھی نازل ہوئے ہیں کس قدر بہتر
یہ چاروں چار قندیلیں ہوں قصرِ آدمیّت کی
رہیں آنکھوں کے پتلے بن کے یہ نجمِ شرافت کی

اب بہارِ جاں فزا آئی

حین قیام مدرسہ اصلاح المسلمین سملباڑی کوٹھی

چمن میں بلبلو! ہاں اب بہارِ جاں فزا آئی
بصدہا ناز اٹھلاتی نسیمِ دل کشا آئی

چٹخنے پر ہیں کلیاں پھول کِھل کر بن گیا گلشن
ہر اک مرغِ چمن سے تہنیت کی مرحبا آئی

ہری شاخیں لچکتیں سرو شمشاد و صنوبر کی
سرِ شاخ ایک اک قمری لئے دل کش صدا آئی

گھٹا گھنگور چھائی، کوئلوں کی کوک ہے ہر سو
پپیہا اب کی رُتی کچھ بشانِ دل ربا آئی

لبالب بادۂ شیرآز سے دلّی کا ساغر ہے
حجازی روپ کے ساقی میں مستانہ ادا آئی

خلاصہ یہ کہ تجمؔ دیں، امامِ قوم(۱) سے اس دم
سملباڑی میں طرفہ روح پرور اک ہوا آئی

(۱) ... نا امام الدین صاحب ساکن سملباڑی کوٹھی ٹولہ متوفی ۱۹ر ستمبر ۱۹۶۵ء کی طرف اشارہ ہے جو مدرسہ ... مسلمین کے بانی تھے جس میں تجم ہری پوری نے تدریسی خدمات انجام دیا ہے۔
(مرتب)

فرزند دلبند کی یاد

کس مزے کی نیند تھی کس لطف کا وہ خواب تھا
جب خمِ ابرو دعائے شوق کا محراب تھا
چاند سورج کی طرح ماں باپ تھے پیشِ نظر
زینتِ آغوش تھا فرزند طٰہٰؐ جلوہ گر
پتلے پتلے ہونٹ سے موتی سے دانتوں کی جھلک
ہوتی ہے جیسی شفق آلود تاروں کی چمک
اس پہ میٹھی مسکراہٹ دیکھنے میں تھی بہار
دل ہمارا جس پہ رہ رہ کر کے ہوتا تھا نثار
چوم لیتے تھے جسے ہم آہ! کس کس پیار سے
اور گلے لپٹا لیا کرتے تھے کن اطوار سے
جنت الفردوس تھی دنیا ہمارے واسطے
تھا نشاطِ زندگی بیٹا ہمارے واسطے
پر قضا نے یک بیک آنکھوں سے اوجھل کر دیا
میری قسمت کا انوکھا پھول اڑکر چل دیا
میری آنکھوں سے تماشہ یک قلم جاتا رہا
سب خوشی جاتی رہی پر یاد وہ آتا رہا

فرزند دلبند کی یاد

کس مزے کی نیند تھی کس لطف کا وہ خواب تھا
جب خمِ ابرو دعائے شوق کا محراب تھا
چاند سورج کی طرح ماں باپ تھے پیشِ نظر
زینتِ آغوش تھا فرزند طٰہٰ جلوہ گر
پتلے پتلے ہونٹ سے موتی سے دانتوں کی جھلک
ہوتی ہے جیسی شفق آلود تاروں کی چمک
اس پہ میٹھی مسکراہٹ دیکھنے میں تھی بہار
دل ہمارا جس پہ رہ رہ کر کے ہوتا تھا نثار
چوم لیتے تھے جسے ہم آہ! کس کس پیار سے
اور گلے لپٹا لیا کرتے تھے کن اطوار سے
جنت الفردوس تھی دنیا ہمارے واسطے
تھا نشاطِ زندگی بیٹا ہمارے واسطے
پر قضا نے یک بیک آنکھوں سے اوجھل کردیا
میری قسمت کا انوکھا پھول اڑکر چل دیا
میری آنکھوں سے تماشہ یک قلم جاتا رہا
سب خوشی جاتی رہی پر یاد وہ آتا رہا

مرحوم میاں نجم الحسن رئیسِ نندنیہ، کی تعزیت میں

زمانے کا سرکار نجم الحسن
غریبوں کا غم خوار نجم الحسن

اے نندنیہ بستی کے سرتاج، سردار
رئیس و زمیندار نجم الحسن

میاں صاحبی شان رکھتے ہوئے بھی
سبھوں سے ملنسار نجم الحسن

تواضع میں سر کو جھکا دینے والے
اے شاخِ ثمردار نجم الحسن

دوا مفت بیمار کو دینے والے
حکیمِ پدروار نجم الحسن

محبت پرستوں کا ہمدرد، محسن
خلیقِ طرح دار نجم الحسن

اڑوسی پڑوسی عزیز آشنا کا
اے حامی، مددگار نجم الحسن

مہربان مادر کی خدمت اٹھا کر

دعاؤں کا حق دار نجم الحسن

وفادار بیوی کا دل خواہ شوہر

دُلاری کا دل دار نجم الحسن

زکّیہ و محمّود، بچوّں کا اپنے

اجی ناز بردار نجم الحسن

اے بُرجِ شرافت کے رونق دہندہ

ستارہ چمکدار نجم الحسن

قرآں کی تلاوت میں مخمور اور مست

عبادت میں ہشیار نجم الحسن

ریاضت کے اندر کمر بستہ ہر دم

تصوف میں سرشار نجم الحسن

اے شیدائی و شیفتہ آخرت کے

اے دنیا سے بیزار نجم الحسن

نبیؐ کے تصور میں خوابیدہ ہوکر

مشرف بدیدار نجم الحسن

اَنا عبدُک پڑھتے جاں دینے والے

فرشتہ بکردار نجم الحسن

شباب ہی میں یہ آپ کا فوت کرنا
ہے بے حد دل آزار نجم الحسن

ہو ماتم کدہ کیوں؟ نہ سینہ ہمارا
کہ ہے ضبط دشوار نجم الحسن

جو نالوں سے ہم آسماں کو ہلا دیں
ہے لائق، سزاوار نجم الحسن

جگر ٹکڑے ہو ہو کے آنکھوں میں اترے
گرے سیکڑوں بار نجم الحسن

یہ وہ چوٹ ہے جو کہ رسوؔا کے دل سے
نہ جائے گی زنہار نجم الحسن

ہمشیرزادہ عزیزی محمد الیاس مرحوم پسر الحاج احسان علیؒ کی تعزیت میں

آنکھوں سے بہہ رہے ہیں آنسو اُبل اُبل کر
صدموں سے خون ہوتا ہے دل گُھل گُھل کر
اے پیارے ننھے الیاسؔ ہے ہے تمہاری رحلت
آتی ہے یاد اکثر بن کر کے اک مصیبت
پیغامِ صد مسرت تھا آپ کا تبسم
آواز آپ کی تھی سر چشمۂ ترنم
تم تھے تو جی بہلتا تھا تم کو دیکھ کر کے
اب جی کروں گا اپنا خوش کس کو دیکھ کر کے
گو جیتے جی تمھیں اب ممکن نہیں دکھانا
سوتے میں اپنی صورت ہاں نجمؔ کو دکھانا

مناجات در توبہ واستغفار

اے خدا ہم ترے در پہ ہیں گنہگار آئے
مغفرت کا تری درگہہ میں طلب گار آئے

جاہ اور مال سے تو نے تو نوازا ہم کو
رعب اور داب زمانے میں بھی بخشا ہم کو

حیف ہے، شکر ترا کچھ نہ کیا ہم نے ادا
مائلِ حرص و ہوا دل کو رکھا اپنے سدا

کتنے ہی حضرتِ انساں کو ستایا ہم نے
کتنے ہی دُکھّے ہوئے دل کو دکھایا ہم نے

جس قدر ہم نے کیا بھی تو وہ دنیا کے لیے
ہائے! کچھ کر نہ سکے کام اک عقبیٰ کے لیے

اپنے کرتوت پہ بے حد ہے ندامت ہم کو
سننے میں آتی ہے اب دل کی ملامت ہم کو

آنکھوں میں جوشِ ندامت سے بھرا ہے آنسو
طالبِ عفو ہے پلکوں میں اَڑا ہے آنسو

توبہ ہے توبہ ہے سو بار الٰہی توبہ
توبہ کی آخری یہ بار الٰہی توبہ

سن لے یہ توبہ ہماری تُو ہے توّاب و رحیم
بخش دے ہم کو تری ذات ہے غفار، کریم
سچے مومن کی طرح صاحبِ ایمان بنا
ہم کو دنیا میں اب اک سچا مسلمان بنا
خاتمہ خیر پہ دنیا سے ہمارا کرنا
حشر میں شافعِ محشر کو سہارا کرنا
باپ اور ماں کے لیے بھی ہے ہماری یہ دعا
تیری رحمت کی قسم خُلد انہیں کر تُو عطا
شعلۂ نارِ جہنم سے بچانا ان کو
کسی آسیب کی صورت نہ دکھانا ان کو
جتنے پسماندہ ہوں من بعد ہمارے یا رب
دینِ اسلام پہ قائم رہیں سارے یارب
سن لے ہاں سن لے خداوند! بحقِ شہہِ دین
تیرے ممنونؔ (۱) کی با گریہ دعا ہے، آمین

نوٹ:- یہ توبہ واستغفار پر مشتمل نظم منشی ممنون الحق صاحب مرحوم نندنیاوی کی طرف سے ان کی فرمائش پر عام مجمع نندنیہ میں ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۴ء کو پڑھی گئی۔ نجم ہری پوری

ناب منشی ممنون الحق صاحب نندنیاوی مرحوم میری ساس محترمہ سنجری خاتون کے حقیقی دادا تھے۔ (مرتب)

خیر مقدم بہ تشریف آوری پیر صاحب قبلہ

بمقام نندنیہ

مرحبا کیا خوب حضرت کا یہاں آنا ہوا
آپ کے یمنِ قدم سے گھر اِرم خانہ ہوا

ناز سے قسمت پہ اپنی جس قدر پھولیں بجا
کفش برداروں پہ، کیا ہی لطفِ شاہانہ ہوا

ہم نہیں بالِ ہما کے سایہ کو ترسیں گے پھر
خود ہما ہی اپنا جب نازل بہ کاشانہ ہوا

خاکِ مسکن بھی ہماری اب فلک سے کم نہیں
ماہِ اوجِ بخت کا اس پر اتر آنا ہوا

پھول کر مارے خوشی کے کیوں نہ ہوں جامہ بہ تنگ
اس گدا پر بارہا لطفِ کریمانہ ہوا

وقفِ حسرت خاکپا رسوؔا پہ بخشش کیجئے
ایک پوشیدہ غرض لے کر کے دیوانہ ہوا

قمرالزماں (۱) کو تہنیت

مبارک ہو قمر امّید کی شب کا قمر نکلا
مبارک ہو گرامی کان کا لعل و گہر نکلا

فقط ماں باپ ہی کے اک نہیں، سب خیر خواہوں کے
نہالِ آرزو کا اک ترو تازہ ثمر نکلا

مبارک ہو مبارک، مرحبا علمی ترقی میں
یہ اپنے خانداں کی مبتدا ہو کر خبر نکلا

اررؔیہ ،پورنؔیہ کا چند سالہ یہ سفر کرکے
عروج و ارتقاء کا پیکرِ فتح و ظفر نکلا

خدا آباد رکھے، ان کے سب ارمان پورے ہوں
سحر گاہی دعائے نجمؔ کا آخر اثر نکلا

تاریخِ تخلیق جون ۱۹۴۶ء

(۱) ناب قمرالزماں صاحب مرحوم جناب شمسؔ جلیلی صاحب، شیشہ باڑی کے بھائی تھے یہ دونوں اور
ے دیگر برادران نجم ہری پوری مرحوم کے شاگرد تھے۔(مرتب)

منظوم استقبال

بتشریف آوری عالی جناب شری بابو کرشن سنہہ وزیر اعظم آف بہار از
جانب اہالیانِ مدرسہ تنظیمیہ باراعیدگاہ، (پورنیہ)

آسمانِ عزت و تمکیں کے روشن آفتاب
یا سپہرِ لطف و احساں کے منور ماہتاب
آصفِ دوراں، حضورِ عالیِ گردوں رکاب
یعنی صوبہ کے وزیرِ اعظمِ والا خطاب
السری بابو کرشن سنہہٗ فخرِ بہار
جن پہ ہندو اور مسلماں جان و دل سے ہیں نثار
آپ ہمت اور سخاوت میں نہیں حاتم سے کم
ہوں صوبہ میں بچھا ہے آپ کا خوانِ کرم
قوم کی ہمدردیوں میں رات دن لیتے ہیں دم
ہے بجا گر آپ کو کہہ دیں بزر چمہرم
خاکپا ہے آپ کی ، یا سرمہٗ اہلِ نظر
جس سے روشن ہو چکے صد رخنہٗ دیوار و در
اللہ اللہ، آپ کا فیضِ قدم ہے کس قدر

ہوگیا گلزار دم بھر میں قدم اٹھے جدھر
پُرنیہ میں بھی ہوئے ہیں مرحبا جلوہ فگن
آج باؔرا عیدگہہ بھی بن گیا رشکِ چمن
واہ، کیا منظر مسرت کا ہے ہر جانب عیاں
طفل کیا، اور کیا جواں و پیر، سب ہیں شادماں
سب کی آنکھوں سے چھلکتی ہیں خوشی کی مستیاں
سب کے سب ہیں بس زبانِ حال سے یہ نغمہ خواں
اے زرویت چشمِ ما روشن، دلِ ما شاد باد
و ز قدومت خطۂ ما، دائما آباد باد
آج ہیں صاحب کلکٹر بھی یہاں رونق فروز
خَلق کہتی ہیں جنھیں رامیشوؔر سنگھ نیک روز
ہم سبھوں کے واسطے کیا ہی مبارک ہے یہ روز
حبّذا ایسا مبارک دن نہ دیکھا تھا ہنوز
جلوہ گر اک برج میں ہیں آفتاب و ماہتاب
اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب
اے خوشا سید مجیؔد عالم انسپکٹر بھی ہیں

چاند سورج ہی نہیں تابندہ تر اختر بھی ہیں
لعل اور یاقوت کے ساتھ ایک جا گوہر بھی ہیں
یعنی سونے پر سہاگہ کی طرح بہتر بھی ہیں
آپ ہیں شمس و قمر کے ساتھ گویا مشتری
اس زمیں کو آج حاصل ہے فلک پر برتری
بختِ خوابیدہ نے لیں جاگ اٹھ کے آج انگڑائیاں
قسمت آج اپنی لگی اٹھلانے با صد خوبیاں
چٹکیاں لے کر مسرت نے بجائیں تالیاں
جان و دل کی کیوں فدایانہ نہ ہوں قربانیاں
آج ہر تن پر خوشی سے اپنا جامہ تنگ ہے
گل نہیں پھولا سماتا، زیرِ جامہ دنگ ہے
آپ جیسے، شکر ہے اللہ کا، مہماں ہوئے
آج پورے ایک اک کر دل کے سب ارماں ہوئے
آپ جو آئے، تو ہم پر لطف اور احساں ہوئے
آج ہم قسمت پہ اپنی بے طرح نازاں ہوئے
ذرہ ذرہ ہم نہ کیوں اب آپ سے ہوں فیض یاب

مہر سے ذرے چمک ہی جاتے ہیں، عالی جناب!
کر کے سب زیبِ گلو حسنِ عقیدت کے یہ پھول
ہے عروسِ مدعا اب پیش کش بہرِ قبول
اے حضورِ عالی نہ جائیں مدرسہ کو آپ بھول
آپ کی فیّاضیاں پیوستہ ہوں اندر حصول
مدرسہ کے ان دنوں نا گفتہ بہ حالات ہیں
مشکلاتِ مالیہ کی اس پہ سو آفات ہیں
سرزمینِ مدرسہ ہے خشک، اے ابرِ کرم
آپ گر اس پر برس جائیں تو کیا ہو جائے کم
رکھتے ہیں بے حد امیدیں آپ سے وابستہ ہم
ہاں اسے کر جایئے سر سبز و شاداب ایک دم
نجم ایامِ وزیرِاعظم، ہمہ فرخندہ باد
ضلع کے صاحب کلکٹر بھی بہ مدت زندہ باد

تاریخِ تخلیق ۱۷ر نومبر ۱۹۳۸ء

شادیانہ رقعہ جات

ابرِ رحمت بخت کا میرے ہوا جو آشکار
گلشنِ امّید میں بس دھوم سے آئی بہار
چل رہی ہے وہ مسرت کی نسیمِ جاں فزا
جس سے میرے دل کی کلیاں کھِل رہی ہیں ایک بار
خشک جو شاخِ تمنا تھی ہوئی وہ بار ور
لہلہانے پر اب آئے آرزو کے سبزہ زار
ہے بجا گر جان و دل مانند مرغانِ چمن
نعرے شادی و مسرت کے لگائیں بار بار
مختصر یہ ہے خلاصہ میری اس تمہید کا
چھیڑ میں اس راگ کی یہ مدعائے خاکسار
ان دنوں گھر میں مرے یعنی کئی تقریب ہیں
جن کی تاریخیں مفصل ذیل میں ہیں آشکار
کاش ان ایام میں میرا شریکِ حال ہو
آپ سب احباب مل کر مجھ کو بخشیں افتخار

شکر ہے نخلِ تمنا بارور ہونے کو ہے
دو نئے داماد سے آباد گھر ہونے کو ہے
اللہ اللہ، رونق و زینت کا پھر کہنا ہی کیا
مہر و مہ، انجم کا مجمع جلوہ گر ہونے کو ہے
حیدرؔ از نندنیہ و ایوبؔ از اسلامؔ پور
آمدِ بارات ان کی میرے گھر ہونے کو ہے
چودھویں آخر جمادی جمعہ سعد اکبر کا دن
میرے گھر بزمِ عروسی میں بسر ہونے کو ہے
تیسری تاریخ یعنی ماہ ملکی جیٹھ کو
سارہؔ و کلثومؔ، ان دونوں کا بر ہونے کو ہے
کِھل کے کلیاں آرزو کی کیوں نہ ہر اک پھول ہو
جب نسیمِ کامرانی کا گزر ہونے کو ہے
دوسرے دن سنتِ تطہیر بھی پوتے کی ہے
یعنی قط اس کے قلم کی نوک پر ہونے کو ہے
حسبِ دعوت آپ کے قدموں سے اس تقریب میں
خاکِ دومہنیؔ چمن سا سر بسر ہونے کو ہے
آپ سب تشریف لائیں ہے یہ ارمانِ نذیرؔ
مخلصانہ پیش کش کچھ ماحضر ہونے کو ہے

دعا بعد نکاح

اے خدا خیر ہو یہ عقدِ مبارک کرنا
دونوں کے گنجِ مقاصد سے تو دامن بھرنا
دونوں عالم میں سدا خوش رہیں دل شاد رہیں
خوب ہی پھولیں پھلیں دہر میں آباد رہیں
دونوں مل جل کر رہیں بن کے سدا شیر و شکر
برجِ الفت میں چمکتے رہیں جوں شمس و قمر
ان میں ہو فضل سے تیرے وہ محبت پیدا
شیفتہ اک رہیں دیگر پہ تو دیگر شیدا
دین و دنیا میں مقدر ہو بھلائی ان کی
رحمتِ خاص میں تیری ہو رسائی ان کی
جو تمنا ہو الٰہی وہ ہو ان کی پوری
جو مراد ان کی خدایا ہو بر آئے فوری
آرزو دل میں نہ ان کے کوئی رہنے پائے
ایک اک کرکے غرض سب ہی روا ہو جائے
بادۂ عیش و سرور ان کو پلائے رکھنا
جملہ آفاتِ زمانہ سے بچائے رکھنا
سن لے ہاں سن لے خداوند! بحقِ شہِ دین
رات دن نجم کی ہے تجھ سے دعا یہ آمین

شادی کی تہنیت

خدا نے حضرتِ آدمؑ کی جب تخلیق فرمائی
طبیعت آپ کی تنہائیوں سے سخت گھبرائی
رفیقِ زندگی کے شوق نے لی دل میں انگڑائی
کیا فطرت نے مجبور اور حاجت اس کی جتلائی
تماشہ دیکھ کر قدرت معاً پھر جوش میں آئی
وجودِ حضرتِ حوّاؑ کو فوراً خلق میں لائی
ہوئی تسکینِ خاطر اور زائل ہوگئی وحشت
تو باندھا عقد دونوں میں محبت نے بصد الفت
چلی آتی ہے اس دن سے بنی آدمؑ میں یہ سنت
تعلق ازدواجی زندگی کا بن گیا فطرت
یہاں بھی آج اسی فطرت کی ہے یہ کارِ فرمائی
اسی سنت کی پابندی میں ہے یہ بزم آرائی
بحمد اللہ میرے اس عزیزِ وقت نے اس دم
تجرد کا مٹایا دل سے اپنے داغِ رنج و غم
ادا کی سنتِ رسم و رواجِ فطرتِ عالم

مبارک، تہنیت ہو کتخدائی کی انہیں پیہم
تمہیں اے ابنِ آدمؑ دخترِ حوّاؑ مبارک ہو
دلِ مضطر کو دل آرام و دل آرا مبارک ہو
بہم سازِ مسرت ہو کٹیں دن رات عشرت میں
مبارک آپ کی ساعات ہوں ایامِ صحبت میں
نیاز و ناز کی خوش فعلیاں ہوں صحنِ الفت میں
رہے دونوں کی مجلس گرم عنوانِ محبت میں
نہالِ آرزو و نخلِ تمنا بار آور ہو
پھلیں پھولیں یہ دونوں ان پہ دائم فضلِ داور ہو
یہ دونوں جاں نثاری میں بہم مجنوں و لیلیٰ ہوں
فدا کاری میں یہ با یک دگر یوسف زلیخا ہوں
غرض آپس میں یہ شیر و شکر معجون و حلوا ہوں
زن و شوہر یک دگر کے واسطے راحت کا پتلا ہوں
دعا گو نجمؔ اب خاموش ہوتا ہے دعا دے کر
سلام اے اہلِ مجلس میں چلا یادِ خدا لے کر

باراتیوں کا منظر

نکلا ہے چاند مرحبا کیا سکھتّار سے
تاروں کی طرح بن کے براتی قطار سے
ہالے کی طرح نور کا سہرہ لیے ہوئے
پہنے ہوئے لباس ہر اک لالہ زار سے
ان پر خوشی سے دل ہی نچھاور کریں گے ہم
کھیلیں گے ہم نسیم بنے اس بہار سے
نوشاہ آپ ہیں کہ نئے بادشاہ ہیں
ہم آپ کو بٹھائیں گے آنکھوں میں پیار سے
یہ رنگ ہے یہ روپ ہے کیا کیا نہ من موہن
خوشبو کی یہ گمک بھی ہے مشکِ تتار سے
صدقہ ہو آج کیوں نہ ہمارے چمن کا پھول
لائیں ہیں آپ نغمۂ دل کش ہزار سے
ہاشم ہے طوق، دست بدامن وجیہ ہے
یہ چاہتے ہیں اپنا صلہ بار بار سے

سہرا

بنا الفاظِ رنگیں کا جو یہ رشکِ چمن سہرا
گمک میں کس قدر ہے غیرتِ مشکِ ختن سہرا
سسر اور ساس ہی کی اک نہیں، ہر اہلِ مجلس کی
دعاؤں کا مبارک آپ کو اے گل بدن سہرا
مسرت کی شبِ امّید روشن چاندنی سے ہو
یہ دولہا چاند ہو اور خرمی کا ہالہ زن سہرا
نشاط افزا سرور انگیز ہو جامِ حیات اُن کا
الٰہی خیر اور برکت کا ہو پر تو فگن سہرا
دعائے نجمؔ ہے پھولیں پھلیں دنیا میں یہ دونوں
دُلہن کا ہو اگر دولہا تو دولھے کا دُلہن سہرا

فارسی کلام معروف بہ غنچۂ عشق

ارمغانِ قاضی نجم ہری پوری

یا غیاث المستغیثین الغیاث
در تباہی ہست مسکین الغیاث
نفسِ کافر کیش مارا ہر گہی
می رباید از رہِ دین الغیاث
دزد بہرِ نقدِ ایمان در کمین
بس ہراسانیم و غمگین الغیاث
دشمنم از ہر رہ و رو می زند
سنگ بر جامِ بلورین الغیاث
من برفتارِ او ز پس پایم کشد
چیست بد این رسم و آئین الغیاث
ہر دو دستم ہست پیشِ تو دراز
زار می نالم بہ آمین الغیاث
ہر نفس رسوا بدارد نعرہا
یا غیاث المستغیثین الغیاث
دل شیفتۂ چہرۂ و ابروی محمدؐ
جان بستۂ زنجیرۂ گیسوی محمدؐ

در گلشنِ تکوین چو خدا کرد نظاره
شد بلبلِ شیدای گلِ روی محمدؐ

بر بدر نمایان مگر این طرفه هلالی
یا قوس قزح یا خمِ ابروی محمدؐ

از بهرِ جهان نیست چو پیچیده کمندی
یا دام ایا حلقۂ گیسوی محمدؐ

شد سرو خرامندۂ در باغِ رسالت
واللہ چہ خوش قامتِ دلجوی محمدؐ

ما طمعِ ارم با تو نداریم ای رضوان!
ما را ارمی هست همین کوی محمدؐ

رسوا تنِ من گرچه به پرواز نیاید
هر لحظه پرد جان و دلم سوی محمدؐ

دیدهٔ دل سوی تو هر لحظه نگران یا حبیب
یک نگاهِ عاطفت ای کاش ارزان یا حبیب
ما مریضِ درد آخر جان به لبها آمدیم
دردِ ما را نیست جز وصلِ تو درمان یا حبیب
وای بر من هر نفس با قهقهای خنده زن
هست بر محرومیِ من دردِ ہجران یا حبیب
شد کباب از سوزِ غم لختِ دل و بندِ جگر
سوی دیگر از تپشها سینه بریان یا حبیب
زنده گردد مردهٔ تو جانِ من بی ریب و شک
گر بیائی سوی من از لطف و احسان یا حبیب
دولتِ وصلِ تو ار ممکن شود سازم بفور
نقدِ دل سرمایهٔ جان هر دو قربان یا حبیب
دین و ایمان را ندانم چیست الا این قدر
هست حُبِّ تو پئی ما دین و ایمان یا حبیب
در تصورہا ی صبح و شامِ تو دارم همی
قلبِ چون آئینه تنِ چون زلفِ پیچان یا حبیب
با قمارِ عشق رسوا با تو بنشسته و لیک
باخت دل را اولین واز عقب جان یاحبیب

چشم دارم کہ گہی از نگہہِ لطفِ حبیب
وا کنی نرگسِ خود سوی من خستہ غریب
کاش آن بخت کجا کو بہ نصیبم گردد
تو قریبِ من و من دست بجان با تو قریب
آہ در ہجرِ تو از بسکہ درونم ریش ست
مرہمی نہہ کہ دگر جز تو کسی نیست طبیب
مرحبا طالعِ بیدار و مبارک بخشش
سرمۂ خاکِ درِ تو کہ بہ آن گشت نصیب
من دمِ یادِ تو از شیر و شکر دامن چین
زانکہ در ذکرِ تو ای آمدہ لذاتِ عجیب
رسوا وہ وہ کند ہر گہہِ کہ وظیفہ دارد
نامِ تو ہست ایا میوۂ از قسمِ زبیب

یا رسول اللہ بنالش آمدہ مہجورِ تو
شرحِ دردِ دل کند با گریہا رنجورِ تو

مرغِ دل از خنجرِ شوق ست ہان بسمل صفت
بہرِ آنکہ جلوہ بیند از رخِ پر نورِ تو

آرزو دارم بصد جان ای کہ روزی یا شہی
تو مرا پیشِ نظر باشی و من منظورِ تو

خستۂ تیرِ غمت را غیر ازین مقصود نیست
کو بیابد مرہمی از عنبر و کافورِ تو

گر سزاوارِ غلامیت نیم خوان در سگی
در حضور پاک تو این گریۂ مہجورِ تو

ہان نگاہِ مرحمت فرما تو ای رشکِ مسیح!
از تو بہرِ مرضِ خود جوید دوا رنجورِ تو

خانۂ رسوا بماند تا بکی ظلمت کدہ
کاشکی سازد منور لمعۂ پُر نورِ تو

ای ز تابِ روی تو گردید تابان آفتاب
بر جبین داغِ غلامی از تو دارد ماہتاب

دلبرِ رعنای من کز بہرِ تو حق منتظر
شہسوارِ من کہ شد جبریلؑ با تو دررکاب

وصف تو ما حقہ ہر گز نگنجد در بیان
گر دہن صد بار شستہ آیم از مشک و گلاب

ای توئی آن کز رہ وصفِ تو ذاتِ احدیت
در حقِ تو کلمۂ لو لاک فرمودہ خطاب

ہان شمی جلوہ فروزِ خانۂ تاریکِ ما
باش و چشمم ساز روشن از جمالِ خود بخواب

روی تو خورشیدِ شب افروز عالم آمدہ
نیست زیبا بودنِ خورشید در بندِ نقاب

ذات پاکت ہست آخر رحمۃ للعالمین

آمده ام طالبِ رحمت ازین رو در جناب

شفقتی فرما بحالم از رهِ لطف و کرم

گرچه جمله کارِ من آمد سزاوارِ عتاب

من سراپا معصیت هستم و لیکن نازِ من

دستِ من دامانِ تو پروا چه در یوم الحساب

در نیازِ آستان بوسی شہا! نالان و زار

ہست رسوا در دیارِ ہند با حالِ خراب

تا کی به پرده شاهدِ پرده نشینِ ما
بگذار و شاد کن دلِ اندوهگینِ ما

بی روی تو ز مدتی در رنج بوده ایم
یک لحظه باش گر نه بسی هم قرینِ ما

بهرِ تسلیِ دلِ محزونِ ما ببین
نامِ تو کنده است چه خوش در نگینِ ما

در قعرِ فسق و خندقِ اکراه چون فتم
یادِ تو روز و شب بود حبل المتینِ ما

کس نیست چون تو در جهان حاجت روای ما
آمد بذکرِ تو همین صدق الیقینِ ما

در آرزوی وبهرۂ غفران بگریه ایم
ای که به آستانِ تو با شد جبینِ ما

تو پیش و ما به سجده ات باشیم و هم چنین
گردد تمام کاشکی روزِ پسینِ ما

رسوا بدرگہہِ تو این آورد التجا
لطفی بکن بحالتِ خستہ ترینِ ما

این چه بازیها نماید نو بنو عیّارِ ما
کو بغارت می برد ہوش از دلِ ہشیارِ ما

از پیٔ یک دل ربودن حیلہا دارد دو صد
ما ورایش مکرہا داند چہ خوش مکّارِ ما

جلوۂ خود می نماید در لباسِ مختلف
تا چہ بشناسم کدامین ہست آن دلدارِ ما

خود درونِ پردہ و بیرون فتادہ شورہا
فتنہا بر پا کند از پردہ حسنِ یارِ ما

از توکل در رہِ الفت قدم بنہادہ ام
یارب! ہر گز نشکند این تکیۂ دیوارِ ما

رو بگرداند ز من با وعدۂ وصل آن نگار
شرم می دارد مگر از شنعتِ کردارِ ما

گر بدیدِ دفترم رسوا کسی درد آورد
نیست عجبی کز ہمہ درد آمدہ اشعارِ ما

ساقیا! در ده بکف للہ زرین جام را
تار باید از دلِ غمگین غمِ ایام را
ناصحا! از پند بگذر دور کن تشنیع را
مرغ زیرک بوده بگزیدم مسلسل دام را
ماہِ من تا کی ز محرومی بنالم زار زار
کامیابی ده برای حق تو این ناکام را
تا جنابِ عشق فرموده کرم بر حالِ من
دیده گوہر ہا بتاراجی فشاند عام را
روی انور جلوه گر آمد بزلفِ عنبرین
کیست کو یکجا بہم دیدست صبح و شام را
با خمارِ خوابِ نرگس راچہ سازی آشنا
تُرکِ من بیدار شو بکشا درِ انعام را
رسوا افتادیم بیدانستہ اندر موجِ عشق
دیده خواہد شد چہ باشد آخرِ انجام را

از غمِ دنیا کہ او آزاد نیست
بیگمان در ملکِ راحت شاد نیست
بہرِ شیرین جانِ شیرین گر نداد
تیشہ زن مزدور او فرہاد نیست
عشق در ہر دل کہ گہہ خانہ نکرد
خاطرش ویرانۂ آباد نیست
ہر کہ آوردہ بدردش قطرۂ
لولوی لالا ست آن برباد نیست
کردۂ خویش اُنچہ آید پیشِ تو
بر کسی از داد گر بیداد نیست
در جہان خستہ دلانِ کوی او
گاہ زیشان نزد کس فریاد نیست
مایہ دارِ درد و عشقش زینہار
چون تو در راہِ سفر بیزاد نیست
ہر زمان رسوا بعشقش شاد باش
بندۂ عشقش گہی ناشاد نیست

رازدانِ عشق را نطق و بیانی دیگر ست
قصہ خوانِ فسق را قول و زبانی دیگر ست

در جہان مردانِ خاصانِ حریمِ عشق را
بر خلافِ وہمِ عامان عزو شانی دیگرست

کعبہ با مسلم مبارک ہم کلیسہ با ہنود
با منِ بیدل مبارک آستانی دیگرست

ہر کسی از رتبۂ خود ھمرہی دارد نشان
ما نشان مندانِ الفت را نشانی دیگر ست

مسند میران بنزدِ ما ندارد قیمتی
ما مکینِ عشق را ہردم مکانی دیگر ست

گاہ میرد گاہ گردد زندہ مردِ عشق باز
عشق بازان را مگر ہان جسم و جانی دیگر ست

گلستانِ بی بقا خرم بود با بلبلان
بلبلانِ کو چہ اش را گلستانی دیگر ست

من بکوی عشق گردم روز و شب رسوا و لیک

مردمان را درپیم ظن و گمانی دیگر ست
رهروانِ معرفت را عشقِ جانان رہبرست
شوقِ دل در گردنش دایم کمندِ دلبر ست
ہر کہ عاشق سوخت او اسبابِ صبر و ہوش را
در دلِ عشّاق داغِ عشق ہمچو اخگر ست
ہر کہ در عالم شمیدہ بوی از بستانِ او
زشت و بد اندر دماغش بوی مشک و عنبر ست
ہر کہ پروازی بدارد در ہوای دلبری
او باوجِ ارجمندی خوش پرندی شہپرست
ہر کہ غیرِ عشق می بازد بشطرنجِ زمان
دیدہ و دانستہ او بیشک بکامِ اژدر ست
نیست کذبی آنکہ ما دلدادگانِ حسن را
کوچۂ دلبر زباغِ خلد صدہا خوشتر ست
از تعشق جسم رسوا چون فلک آمد بچرخ
داغہای خاطرش ہر یک درخشان اختر ست

من بذکر و یادِ دلبر دولتی دارم بکنج
دولتی کز خوبی او فرحتی دارم بکنج
مالِ دنیا را نخواہم حاجتی از گنج نی
زانکہ از نایاب گنجی قسمتی دارم بکنج
گو بہ پیش اہلِ حشمت نیست ما را حشمتی
لیک من از غیب نادر حشمتی دارم بکنج
میلِ من با عزتِ دنیا نباشد زینہار
من زبختِ نیک خوشتر عزتی دارم بکنج
می رسد ہر دم مرا ز آفاتِ دنیا رنجہا
در پسِ ہر رنج صدہا راحتی دارم بکنج
شکر این نعمت گزارم چون کہ طرفہ نعمتی
ہر نفس ہر لحظہ و ہر ساعتی دارم بکنج
نعمت و ہم لذّتِ دنیا مرا مطبوع نیست
نعمتی دارم بکنج و لذّتی دارم بکنج
پای نازم بر فلک رسوا نباشد از چرا

هر زمان با لعبتی من عشرتی دارم بکنج
از برای گلعذاری شام و صبح
دیده هایم اشکباری شام و صبح
جان همی داریم از بس بی قرار
دل چو لاله داغداری شام و صبح
چشم در ره دست بادل بر دعا
بو که آید آن نگاری شام و صبح
من نه تنها نیستم خواهانِ او
خوشتر از من صد هزاری شام و صبح
خوش نصیبی نیست با آن کس که او
باشد از وی کامگاری شام و صبح
بر درِ درگاهِ آن عالی جناب
نیست چون من خاکساری شام و صبح
هر که او در کوی او دلداده شد
در دلش نبود قراری شام و صبح
گوہرِ صلوا علیه از کردگار
بہرِ او گردد نثاری شام و صبح
ہست او رسوا بعالم شہسوار
من بفتراکش شکاری شام و صبح

مرد بی عشقی کہ باشد در جہان ہیچ ہست ہیچ
ار بدارد نزدِ خود گنجِ گران ہیچ ہست ہیچ
عشق آن باشد کہ مردم را بہ افلاک آورد
ہرکرا این نیست ای دل! چون خسان ہیچ ہست ہیچ
عشق آمد جانِ انسان و بقای ذاتِ او
ہر کہ محروم ست زین پیشِ کسان ہیچ ہست ہیچ
عشق در دل لعل اندر سنگ دان ضرب المثل
سنگ بی لعلی کہ باشد بیگمان ہیچ ہست ہیچ
عشق در مردم مثالش جوہرِ تیغ آمدہ
تیغِ بی جوہر بدستِ غازیان ہیچ ہست ہیچ
عشق خود مقبول آمد در جنابِ ایزدی
نافرش پیوستہ چون دام و ددان ہیچ ہست ہیچ
عشق چو مشک ست اندر نافِ راحِ روحِ تو
مرد کی کش ہیچ پندارد ہمان ہیچ ہست ہیچ
بہرۂ عشق ار ہمی داری تو رسوا باز گو

مرد بی عشقی کہ باشد در جہان ہیچ ہست ہیچ
ای کہ در سودای حسنش چرخ می باشد بچرخ
زہرہ و ہم مشتری شمس و قمر آید بچرخ
خاکسارِ کوچۂ او گرچہ تن دارد بخاک
فرقِ ناز از افتخارِ عشق می ساید بچرخ
حاشیہ بوسِ بساطِ عشق او ہر لمحۂ
از شرفہا ی کہ دارد سر بیفرازد بچرخ
در دلِ ہر کس کہ مارِ عشق او نیشی زدہ
دامن از ہستی بچیند خویش را آرد بچرخ
ہر کہ شد ساغر بکف از بادۂ سودای او
قطرۂ در کام ریزد ہوش را آرد بچرخ
جان نثارِ نامِ او با صدق و اخلاصِ اتم
طبلہای ذکر او ہر لحظہ بنوازد بچرخ
شرح خوبیہاش از تحمیدگویانِ جہان
چون کند مسموع رسوا سر بجنباند بچرخ

دلی دارم کہ او ہمراہ صد آہ و فغان دارد
ز بہرِ گل رخی ہر دم نوای بلبلان دارد

ز فیضِ آفتابِ عشق سنگِ خاطرم یاران
بصلبِ خویش لعلی غیرتِ لعلِ یمان دارد

بجای شربت آمد بہرِ ما خونِ جگر خوردن
ببین ساقیِ چشمم را کہ جامِ خونچکان دارد

من این شکوہ بکہ گویم کہ از شمشیرِ ابرویش
تنِ من زیرِ پیراہن دو صد زخمِ نہان دارد

خدا را از نگاہش سینہ ام غربال شد ہی ہی
نگارِ من عجب آن تیرہای بیکمان دارد

بقصہ خوانیِ یاران بتن گرچہ ازو دورم
دلِ شیدای من ہر لحظہ سر بر آستان دارد

قیامِ گلشنِ فردوس نوکِ خار پندارد

به دیده سرمهٔ زان خاک گر حورِ جنان دارد

زمن چیدن نیاید دانهای عیش و عشرت را

که مرغِ روحِ من هردم نظر بر آشیان دارد

سبک روحیِ من از بُرجِ معنیٰ چون کند طیری

قرار و خواب گاهِ خود مکانِ لا مکان دارد

درین ره قطرهٔ صد قلزمی اندر تموجها

دریغا! کین معمایم نہ شرح و نی بیان دارد

ازین شیوہ بشہرت رفت نامم لیک نقشِ من

چو عنقا خویش را مخفی ز چشمِ مردمان دارد

چہ جای حیرتِ شعرای ہندستان و پارستان

عطارد ہم ز من انکشتِ حیرت در دہان دارد

سخن آہستہ می گویم مگر پرورده می گویم

نہ ہمچو قالِ آن زاغی کہ نازِ طوطیان دارد

بخوش گوئی و خوش قلمی بکامِ خلق افتادم

زبان و دستِ من اندر جہان فیضی روان دارد

لبِ خندہ میا ور بر منِ مسکین کہ فقرِ من

بہ کچکولِ گدائی تاجِ شاہانِ کیان دارد

گہی بر طارمِ اعلیٰ گہی تحت الثریٰ باشم

جنونِ من مرا گاہی چنین گاہی چنان دارد
ازاں روزی کہ بگرفتہ تپ عشقش دل و جانم
رخِ من ارغوانی را برنگِ زعفران دارد
ز نوکِ ہر مژہ شام و سحر دُر سفتنی دارم
عروسِ دردِمن اندر گلو ہارِگران دارد
بسوزِ غم دلم تفتید ازو بوی کباب آید
بشکلِ آہ دودِ دل رخ اندر آسمان دارد
صریرِ خامہ ام رسوا مگر صورِ سرافیلؑ ست
کہ وقتِ نفخ کلکِ ہر دبیر اسقاطِ جان دارد

در نقابِ لالہ گون پنہان رخِ محبوب شد
در گمانم آفتاب اندر شفق محجوب شد

ماہِ من بر روی انور زلف را بگذاشتہ
مہرِ تابان در تہہِ ابرِ سیہ محجوب شد

دلبرم دیدہ بزودی آستین بر رو کشید
چشمۂ خورشید ناگہہ از نظر محجوب شد

نازنینم رو بغرفہ کرد و رخ اندر کشید
کوہۂ خورشید شد طالع مگر محجوب شد

یوسفِ صدیق غوطہ زد بہ آب نیل چون
مہرِ تابان در کنارِ نیل خود محجوب شد

حضرتِ یونسؑ چو اندر بطنِ ماہی کردہ جا
آفتاب آمد بہ برجِ حوت پس محجوب شد

از ہریؔ پور این غزل بہرِ سریؔ پور آمدہ
نیست پروا گر نہ ایشان را بدل مرغوب شد

فضلِ حق ہمراہ رسواؔ ہست آری بی عدد
حاسدِ بیہودہ از وی عاقبت مغلوب شد

ساخت روشن دیده را رخسارِ تابان یک طرف
برقِ دندان یک طرف ہم لعلِ خندان یک طرف

جان و دل را خستہ کرد و صبر و ہوشم را بکشت
تیغِ ابر یک طرف ہم تیرِ مژگان یک طرف

مرغِ دل را یک بیک از دانۂ پابند کرد
خم گیسو یک طرف ہم زلفِ پیچان یک طرف

ماہِ من از پردہ بیرون گشت و گردیدہ خجل
ماہِ تابان یک طرف مہرِ درخشان یک طرف

از لب و دندانِ یارِ نازنین بی آب ہست
سلکِ گوہر یک طرف ہم رنگِ مرجان یک طرف

در جلوی یار ہر سو می دوم دیوانہ وار
دستِ رقصان یک طرف ہم پای کوبان یک طرف

در تحیر ماند چون دیدن این اشعارِ ما
اہلِ ایران یک طرف ہم اہلِ توران یک طرف

ای خوشا از کلکِ رسوا بر سمن گلہا دمید
لا لہ نرگس یک طرف نسرین و ریحان یک طرف

خاطرم بی روری جانان ہست نالان یک طرف
چشمِ گریان یک طرف ہم سینہ بر یان یک طرف

تا ز پہلو یار را گم دیدہ ام دارم ہمی
دل پریشان یک طرف ہم جان ہراسان یک طرف

من بدشتِ استقامت گام فرسا چون شوم
جسمِ لرزان یک طرف ہم بارِ ہجران یک طرف

شکوۂ بیدردیِ دلبر کند با خندہا
درد پنہان یک طرف ہم رنجِ حرمان یک طرف

مرگ را خوشتر نماید در شبِ تارِ فراق
یاس وحرمان یک طرف ہم داغِ ہجران یک طرف

وای چون پنجہ زنم ایمن بزلفِ عنبرین
پاسِ جانان یک طرف بیمِ رقیبان یک طرف

در فراقِ جانِ جان رسوا بدارد روز و شب
شور و افغان یک طرف ہم آہِ سوزان یک طرف

دانه های خال و دامِ زلفِ پیچان دیده ام
طائرِ دل را درو پابند حیران دیده ام
نیز از مژگان و ابرو تیرها اندر کمان
بهرِ قتلِ عالمی هر سوی پران دیده ام
دیگری از خندهٔ غنچه دہن رنگین ادا
گوہر و هم لعل در برقِ درخشان دیده ام
تا بچرخِ ہفتمین من سر نیفرازم چرا
ہالۂ مشکین بگردِ ماہِ تابان دیده ام
قمری آسا هر زمان کو کو زنم با شوقها
از هما روزی که من سر و خرامان دیده ام
جسمِ سیمین دیده ام زیرِ قبای نیلگون
یا که در ظلمات پنہان آبِ حیوان دیده ام
در لبِ لعلِ طبیبِ چاره سازِ عاشقان
از برای دردِ دل نایاب درمان دیده ام
ای که دستِ نازنین بہرِ غریقانِ جہان
سو بسو با دست گیری مست و رقصان دیده ام
من بنا خوبی و زشتی هم دلیرانه عجیب
چنگ رسوا را بدامانِ حسینان دیده ام

چه خوش بختم که هر سو جلوهٔ دلدار می بینم
بهر چیزی که در نگرم جمالِ یار می بینم

پندارم همی یارِ عزیزم در خرام آمد
چو گاهی تد روی در دامنِ کهسار می بینم

به یادِ روح افزایش بهرجای که می باشم
چه آبادی چه ویرانه گل و گلزار می بینم

بحینیکه شوم پوینده در میدانِ ادراکش
زمین و آسمان را صورتِ پرکار می بینم

یکی گوید که من اینم یکی گوید که من آنم
عجب این شور و غوغا بر سرِ بازار می بینم

براهِ عشق کردم مرکبِ آهنگ را یکسو
ولی در اولین منزل رهِ دشوار می بینم

ازان روزی که من در بحرِ الفت غوطها خوردم

بسی در دامنِ خود گوہرِ شہوار می بینم
چو باشد گوہرِ مقصود را اکنون بچنگ آرم
کہ ناگہہ آسمان را بر سرِ پیکار می بینم
دہد رگہای من آواز حق حق ہر نفس بیرون
ربابِ عنصری را در سرودِ یار می بینم
بسودای حسینی در جہان رسوا شدم آخر
ملامتہای مردم را دو صد طومار می بینم

با خیالِ یار مارا شاد باید زیستن
و ز غمِ دنیای دون آزاد باید زیستن
هان بکوهِ رنج و محنت در بیابانهای عشق
بهرِ شیرین تیشه زن فرهاد باید زیستن
عیش و عشرت در جهان بی یار ای دل! تلخ هست
زین همه عشاق را ناشاد باید زیستن
بگذر از آبادیِ خود رو بویرانه بنهه
در غمِ غم خوار خود برباد باید زیستن
جملگی فسق ست غیر از اشتغالِ عشق و هیچ
هر زمان در ملکِ عشق آباد باید زیستن
بر درِ جانان بعجز و انکسارِ دائمی
با کمال ناله و فریاد باید زیستن
بهرِ سیرِ کوی دلبر پیش می دارم سفر
در جهان ما را برای زاد باید زیستن
گر تمنای وصالت هست رسوا! یاد دار
درپئی حسن العمل صیاد باید زیستن

رونقی ای جان! ندارد بزمِ ما بی روی تو

لطف فرما چشم می داریم هر دم سوی تو

بر زبان افسانه ات در دل خیالِ روی تو

در جهان کاری ندارم غیر جست و جوی تو

از درِ چشمم بیا و در دلِ ما نهہ قدم

زانکہ ہر گز بہہ ازین نبود دلا مشکوی تو

گر رخِ انور نمائی بالیقین ای جان! کنم

دل فدای روی تو جان را فدای خوی تو

در دلِ ما آرزوی و ہم تمنای بجان

کاش بازیہا نماید پیش ما ہندوی تو

مردمان را عید آمد دیدنِ روی ہلال

ہست در عالم ہلالِ عید ما ابروی تو

طاق مسجد را چه سازم حاجتی از دیرنی
عاشقان را هست محرابِ دعا ابروی تو

کی بود تا روز و شب یکجا بهم آید نظر
از صفای روی و هم از ظلمتِ گیسوی تو

جانِ من! این مرده تن مستانه وش بر پا جهد
نکهتی باید اگر از زلفِ عنبر بوی تو

از همان روزی که با تو گرم صحبت داشتم
ساخت دیوانه دلم را یک بیک جادوی تو

بر سرم تابنده شو ای بدر چرخِ حسن زود
نالها آورده رسوا این چنین در کوی تو

چیست گو آن چہرہ و ابروی جانان آمدہ
بدرِ شعبان و ہلالِ عیدِ رمضان آمدہ
ما نمی دانیم ہیچ آیا لبِ لعلی ست این
یا عقیقِ کندہ یا یاقوتِ رمان آمدہ
خال بر ابروی او دیدم بدل گفتم کہ واہ
بر ہلال این طرفہ تر نجمِ درخشان آمدہ
بر عذارِ صاف زلفِ عنبرین آویختہ
یا کہ ہندوی بہ تیلاوتِ قرآن آمدہ
حبذا در باغِ خوبی بہرِ زیبائیِ حسن
قامتِ او سرو دلجوی خرامان آمدہ
پیش روی آن حسین جملہ حسینانِ جہان
چون بشمع افروختہ پروانہ حیران آمدہ
ہمچو بلبل با زبانِ شوق و آوازِ بدیع
در گلستانِ سخن رسوا غزل خوان آمدہ

باز چشمانم بشکلِ ابر گریان آمده
لختِ دل از سوزشِ غم ہمچو بریان آمده

حیف درباران گرفتہ آتشی در کعبۂ
این چہ بد مکروه بر مسلم نمایان آمده

نقدِ دل از دست بردادم بسودای حسین
لیک در دستم نہ غیر از یاس و حرمان آمده

در دیارِ ہجر حاصل نیست غیر از داغہا
خاطرم با داغہا پشت پلنگان آمده

درفراقِ آن پری بانالہ من تنہانیم
ہر بُنِ مو با صدای درد نالان آمده

من چہ گویم خنجرِ فرقت بدل چون چاک زد
بہرِ شرحِ چاکِ دل چاکِ گریبان آمده

در غمِ گم گشتہ رسوا جانِ شیرین می دہم
خیر بادا خیر جانم! در رہِ جان آمده

دلا! غره مشو چو جاہلان با گنجِ پنہانی
کزو منسوب گردی نزدِ دانایان بنادانی
چو از خاکی بسانِ خاک عجز و انکساری کن
کہ واللہ غیر ازین دیگر نیامد شرطِ انسانی
پسِ پردہ حسودان طعنہ و تشنیع می آرند
ندیدہ اند شاید شپ شپ تیغِ سخن دانی
اگر خفّاش از خورشیدِ تابان نفرتی دارد
چہ پروایش کہ او را خود فلک آرد بمہمانی
ندانم سفلگانِ دہر با خود از چہ مغرور اند
بشکلِ طوطیان زیبد کجا چغدِ بیابانی
نیاید ہرگز از زاغ و زغن ہان کبک رفتاری
زابلیسِ لعین کاری کہ گردد ہست شیطانی

ہمی گویم کنون با ہیبتی کہ ہمرہی دارم
کہ در عالم حریفان می برند از من پشیمانی

در اقلیمِ دبیری تاجِ سلطانی بسر دارد
انجیم را میسر شد بعالم این جہان بانی

پدر ہم بود مہتابِ سپہرِ علم و دانشہا
کہ دارد این چنین الفخر کالمہرِ سلیمانی

بیا رسوآ! بکنجِ شکر این نعمت دمی بنشین
کہ بر تو ہر زمان باشد نزولِ فضلِ رحمانی

در توقف عزمِ تو ابرِ بهاری تا بکی

چشمِ نرگس در چمن با انتظاری تا بکی

ای کہ ایام خزان اکنون بپایان آمدہ

عندلیبان بی تو اندر آہ و زاری تا بکی

قمریان در اشتیاقت ہر زمان کو کو زنند

سرو قد ا سرو در جنبش نیاری تا بکی

ہان ببامِ وصل شو خورشید تابان جلوہ گر

غرقِ نیلو فر بہ آبِ زیرِ باری تا بکی

در فراقِ یوسفی ای پیرِ کنعانیِ ما

چو زلیخا دیدہ دارد اشکباری تا بکی

در تمنای قدم بوسیِ لیلای جہان

قیس سر گشتہ بدشتِ ذل و خواری تا بکی

از پئیِ شیرینِ دل آرام ما فرہاد را

بر کہستانِ صعوبت تیشہ داری تا بکی

چون سکندر ششدرم افتادہ در ظلماتِ ہجر

آبِ حیوان چشمہ ات پوشیدہ داری تا بکی

المدد ای نا خدای ما! بگردابِ الم

کشتی رسوا میانِ بی قراری تا بکی

منظوم خطوط بزبان فارسی

(۱) بنام حضرت حافظ حامد حسن علویؒ

زار می نالیم در وحشت کجائی پیرِ ما
کاش باشد یک نظر در کارِ بی تدبیرِ ما
در طریقت از فسوسِ نفس بد وا مانده ایم
نیز اعمالِ قبیحہ ہست دامن گیرِ ما
ما مریضِ حرصِ دنیائیم و ہم طولِ امل
ہان بفرمائی نگاہی تا شود اکسیرِ ما
خاکِ پای شیخ را سازیم بس کحل البصر
کی بود آن دم کہ گردد این چنین تقدیرِ ما
پای تو بر گیرم و جای تو دردیدہ کنیم
عزتم وافر شود افزون بود توقیرِ ما
گہہ کنم دل را تصدق گہہ فدا سازیم جان

حلقۂ زلفِ تو باشد دام وش زنجیرِ ما

در غمِ ہجران گزاری جانِ عالم تا بکی

چون ہلالِ آسمان کاہیدہ شد تنویرِ ما

سوی رسوا التفاتی بہرِ حق بہرِ نبیؐ

در حضورت ہم چنین از خونِ دل تحریرِ ما

(۲) التجا به پیر و مرشد

ای کہ اندر دورِ ما گنجینۂ عرفان توئی
با تہی دستانِ عالم دولتِ ارزان توئی
جامِ جم اندر گرو با جرعۂ از ساغرت
ای کہ بر در جبہہ سایش فرقِ صد خاقان توئی
ای خو شا ذاتی کہ بہرِ جان بہ لبہا آمدہ
با لبِ اعجاز رشکِ عیسیِ دوران توئی
ظلمتِ کفر و ضلالت از تو گردد بی نشان
مشعلِ نورِ ہدایت در رہِ ایمان توئی
حسرتِ اسکندریم از بہرِ ما ہم قطرۂ
ای کہ خضرِ واصل اندر چشمۂ حیوان توئی
درمیانِ موجِ طوفانِ بلائیم المدد
ای کہ ما بیچارگان را نوح کشتی بان توئی
سہل عنوان چیست بہرِ وصلِ جانان باز گو
ای کہ راہ و رسم دانِ منزلِ جانان توئی
از نگاہِ جذب رسوا را ز عصیان پاک کن
ای کہ در دنیا مَلک سازندۂ انسان توئی

(۳) بنام عبدالمنان پلاسمنی بوقتِ تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تا بسوی ندوہ لکھنؤ عبد منان آمدہ
با دعا گوئی دل و جانم غزل خوان آمدہ
شاد باش و شاد زی دائم عزیزِ جانِ من
زانکہ بر تو سایہ گستر فضلِ رحمان آمدہ
آنچہ بگرفتی ز اردو و فارسی سرمایہا
باوی انگریزی و عربی بر تو آسان آمدہ
مستر و مولانا ہم گردی بمعنیٰ نی بنام
ای کہ ذاتت اولین منشّیِ دوران آمدہ
از دمِ تو پورنیہ عرب و عجم لندن شود
فیض گیرند از تو صد واجد سلیمان آمدہ
رشکِ دہلی غیرتِ لکھنؤ بود پلاسمنی

با شدت اردو زبان چون تیغ بُرّان آمده

یادِ من چون در دلِ تو بگذرد با این ہمہ

نک در آمیزی بمن باروی خندان آمده

از ہرؔی پورم نیاری نفرتی در ہیچ گہہ

زائرِ این خاک باشی با دل و جان آمده

ہان بہ استادانِ ندوہ بر گو از من صد سلام

آنچہ رسوؔا گفت حل کن پیشِ اینان آمده

معذرت نامہ بہ مولوی واعظ الدین

حین قیام کٹھامٹھا (کشن گنج)

السلام ای شمعِ بزمِ واعظانِ پورنیہ
السلام ای نورِ چشمِ ناصحانِ پورنیہ
ہمچو نامِ خویش ہستی واعظِ شیرین بیان
واعظ الدینت چہ خوش خواند کسانِ پورنیہ
حبذا چون وعظ می گوئی بمنبر آمدہ
مقرعہ گردد بہ پشتِ غافلانِ پورنیہ
ہم بانشای ہمم منشیِ ارشد آمدی
فیض می گیرند از تو منشیانِ پورنیہ
من بصد اخلاص اکنون رو بتو آوردہ ام
چون بدانستم ترا از مخلصانِ پورنیہ
ہرچہا بشنیدۂ یا دیدۂ از دستِ من
فتنۂ بر پا شدہ کزوی میانِ پورنیہ
اندران اقوال با تو ہیچ تخصیصی نرفت
سرزنشہا بود بہرِ حاسدانِ پورنیہ
پس بدین تقدیر می خواہم کہ باشی بر طرف
ظنِ بد را بر کنی از مردمانِ پورنیہ
کاشکی این تشنۂ آبِ وصالِ خویش را
آمدہ سیراب سازی ای جوانِ پورنیہ
از غبارِ کین خدا را شیشۂ دل پاک کن
ہمچو رسوا عندلیبِ بوستانِ پورنیہ

بہ ظہور الحسن (نٹوا پارہ)

حین قیام کٹھا مٹھا (کشن گنج)

رئیسِ زمانہ ظہور الحسن
خلیقِ یگانہ ظہور الحسن
توئی آنکہ مردانِ اطرافِ تو
دہندت خزانہ ظہور الحسن
توئی منشی و شاعرِ مستند
ز تو این ترانہ ظہور الحسن
سلامی دو صد باد در خدمتت
ز من دوستانہ ظہور الحسن
فگن بر سرم سایۂ عاطفت
منم بیکسانہ ظہور الحسن
چہ باشد کہ خورشید روزی شوی
باین درس خانہ ظہور الحسن
من از لمعۂ تو شوم نور چین
چو مہ زین بہانہ ظہور الحسن
تمنای رسوا بدستِ دعا
چنین ہر شبانہ ظہور الحسن

قصیدہ درمدحِ دیوان ابوالحسن سکریٹری اسٹیٹ کھگرہ از جانب عبدالحق، ساکن ہریا

چون ننازم دست رقصان پای کوبان بوالحسن
چون تو ہستی نائبِ نوّابِ دوران بوالحسن

حبذا صد مرحبا ہمچو ہما بالِ کرم
چتروش بکشودۂ بر فرقِ مایان بوالحسن

ابرِ بارانِ تلطف بر سرِ ما آمدی
حالِ ما از تو چو گلشن در بہاران بوالحسن

می سزد گر بر گلِ وصفت نمایم بلبلی
روز و شب باشیم بمدحِ تو غزل خوان بوالحسن

والیِ اسٹیٹِ کھگرہ بیگمان اکنون توئی
دف یکی از چاکرانت زیرِ فرمان بوالحسن

آمدہ در دستِ تو جملہ کلیدِ اختیار

ہر چہ اندر راج می خواہی کنی آن بوالحسن

با ہزاران کر و فر حالا توئی آقای ما

ما بحکمِ تو بجای خویش نازان بوالحسن

سائرِ خدّام استیت اند از تو سرفراز

در کفِ تو رشتۂ تقدیر ایشان بوالحسن

گشت از فیضِ قدومِ میمنت ملزوم تو

خطۂ کھگرہ بہارِ باغِ رضوان بوالحسن

روٓل صاحب رفت از یادم بحسنِ نظمِ تو

او سُہا بودہ توئی مہرِ درخشان بوالحسن

چہرۂ استیت از تو حسنِ دیگر یافتہ

غازۂ آوردۂ بر روی تابان بوالحسن

آن چنان شمعِ ریاست را تو بر افروختی

خاطرِ عالم بدو پروانہ حیران بوالحسن

خَلقِ عالم را بخُلقِ خوش مسخّر کردۂ
بر تو قربانند کل افراد انسان بوالحسن

آن بساطِ عدل گستردی بجملہ راج تو
شد رعیت در امان مسرور و شادان بوالحسن

در سخاوت آشکارا کردۂ صد حاتمی
جوق جوق آیند بر خوانِ تو مہمان بوالحسن

ہیبتِ شیرانہ ات رفتہ بافواہِ جہان
دشمنان از نامِ تو چون بید لرزان بوالحسن

آن ہزیمت مدعی را بر سرِ میدان دہی
کو سپر انداختہ گردد گریزان بوالحسن

ابلقِ ایام زیرِ رانِ تو رام آمدہ
دولت و اقبال ہر دویت غلامان بوالحسن

من یکی از خادمانِ کمترینت آمدم

در حضورِ تو ترقی خواهِ احسان بوالحسن

کاش چشمِ لطف بکشائی بمن یکبارگی

ذره را آری بخورشیدِ درخشان بوالحسن

تا بطرفِ پورنیہ اوصافِ شیرنت شنید

گشت بر نامِ تو رسوا شکر افشان بوالحسن

این گہر ہای کہ عبد الحق ازو بگرفتہ است

بر فشاندہ بہرِ تو شادان و فرحان بوالحسن

معمہ جات

گربۂ در راہ دیدم اوفتادہ بی سرست
از رہش بر داشتم دیدم کہ شیرِ حیدر ست (علی)

پا شکستہ گربہ دو بر مسندِ زرّین نشست
عندلیبی را بورقِ گل بدیدم منظر ست (بلبل)

باغ بی سرو بدیدم دد نشستہ در کنار
سرو را دیدم کہ دد را در شکم جلوہ گر ست (بغداد)

خم نگون گشتہ بدیدم قطرہ از وی ریختہ
مرد بیدل بر سرش کردہ بخوبی اندر ست (محمد)

کژدمی دیدم کہ پا و سر ندارد ای عجب
بر سرِ دربانِ دور از در نشستہ خوشتر ست (قربان)

مہر را دیدم کہ نصفی آمدہ اندر غروب
زیرِ پای جسمِ بی جان رفتہ نصفِ دیگر ست (جمشید)

عابدی را کور دیدم همرهِ اولاد او

گفت ابدالم بخواند هر که او دیده ور ست(ابدال)

من در آبِ هند دیدم منجمد آبِ عرب

گفتم این دارندۂ خوبیِ حسنِ دلبر ست(جمال)

خال بر چشمِ عدو دیدم شکستہ پای او

باز دیدم سر زغن را ساختہ تاجِ سر ست(چغد)

میر را دیدم نگون سر پائمالِ زیرکی

بندۂ مملوکِ عربی در پسِ او حاضر ست(عبدالکریم)

هست رسوای جهان گویندۂ این طرفها

نامِ او تاجی بفرقِ دین درخشان اختر ست(نجم الدین)

رضوان ندویؔ-ایک تعارف

مرحبا صد مرحبا رضوان ندوی مرحبا

از شمسؔ جلیلی (ایڈوکیٹ) لائن بازار (پورنیہ)

اے کہ تو رضوان ندویؔ حارسِ جنت ہے تو

سرزمینِ پورنیہ کی خوبیِ قسمت ہے تو

اے ہری پوری جواں اے کہ تو اعلیٰ گہر

کر دکھایا کام تو نے جو کہ ہے سلکِ گہر

چار پشتوں میں نہیں جو ہو سکا تھا کام یہ

پانچویں میں ہے سعادت اب تمہارے نام یہ

عالم و فاضل بھی تو ہے اور ایم۔ اے بھی کیا

ہے صحافی شیر دل تو حق کیا سب کا ادا

وہ جو ہیں منظورؔ احمد(ا) اور ملک زادہ بھی ہیں

ہیں تمہارے معترف وہ اور دلدادہ بھی ہیں

قاضیوں کی ہے یہ بستی اک دبستانِ ادب

فارسی میں شعر کہنا تھا یہی لہو و لعب

فارسی ، اردو میں یاں اک سے اک فنکار تھے

ناقدوں کا ہے یہ کہنا حافظؔ و عطارؔ تھے

اس چمن کا ہے یہ بلبل جس کو رضواںؔ جانئے
صبح صادق کہہ رہی ہے دن بھی روشن مانئے
اس کے دل میں جوش ہے اور ہے ذوقِ سلیم
اعلیٰ قدروں کا ہے عاشق نے غلامِ زر و سیم
عمر ہے نوخیز اس کی ولولے ہیں بے حساب
مختصر سے وقت میں دو دو نکالے انتخاب(۲)
ہے ظہورِ صبح روشن روز روشن کی دلیل
عمر ہے نو خیز اس کی اور یہ ذوقِ جمیل
یہ تدبر یہ تبحر اور یہ نقد و نظر
دے رہا ہے گلستاں ہی مژدۂ فصلِ ثمر
ہے تمیزِ خیر و شر بھی، عیب و خوبی پر نظر
پس تو کردی کار آنکہ بہتر از سلکِ گہر
پانچویں ہے پشت اس کی علم و ادب کا چارہ ساز
ناز بردارِ سخن ہے اور اٹھاتا سب کا ناز
انتہائے شوق ہے کہ کام کچھ ایسا کرے
خدمتِ شعر و سخن ہو اور سدا ڈنکا بجے

شمسؔ،(۳) رضوانؔ تھے بہت مقروض خود کو جانتے
اب کلامِ نجم کی تشہیر خود کو مانتے
کوششِ پیہم سے اس نے کیا سے کیا یہ کر دیا
پھر ہری پوری پھریرا علم کا اڑنے لگا
کام تھا مشکل بہت ملنا تعاون فخر کا
پتھروں کو چیر کر لانا تھا جوئے شیر کا
کوششِ رضوانؔ سے یہ کام آساں ہوگیا
فیضِ فخرالدین(۴) سے صحرا گلستاں ہوگیا
ماہتابؔ(۵) و نجم ثاقب اور جلالؔ اہلِ حال
جا چکے دنیا سے جب تو آگیا اک با کمال
تھا یہی مرکز کہ جس جا جمع ہوتے با کمال
تھے یتیمؔ(۶) با مراد، مشتاق(۷ؔ) و تمنا(۸ؔ) لازوال
تھے یہاں یوسف رشیدیؔؒ اک مورخ لا جواب
لکھ دی اس نے پُرنیہ پر تاریخ کی پہلی کتاب
مدحِ یوسفؔ کیا لکھوں تھے مورخ لا کلام
ہے جو شاہد یوسفیؔ ان کا عزیزِ خوش کلام

تھے جلاؔل و نجؔم اور مہتاؔب کو بھولے ہوئے
جو دمِ رضواؔن سے ہی اک بہ اک زندہ ہوئے

ہے کمالِ ذوق و ہمت باغ رضواؔں کردیا
اس زمینِ علم و فن کو آسماں تو نے کیا

ہے جواں بخت و جواں سال و مقرر خوش مقال
کر دیا زندہ سبھوں کو جو کے تھے اہلِ کمال

تو ہے اک نخلِ تمنا تجھ کو بڑھنا ہے ابھی
سرحدِ علم و ہنر تک تجھ کو جانا ہے ابھی

(۱) پروفیسر ملک زادہ منظوؔر احمد (۲) کلامِ قاضی جلاؔل ہری پوری، ارمغانِ قاضی نجؔم ہری پوری (۳) شمؔس جلیلی شاگردِ رشید نجم ہری پوری (۴) فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ (۵) قاضی منشی مہتاب الدین احمد پدر بزرگوار قاضی نجم ہری پوری (۶) مولانا مراد حسین یتیؔم کھپڑوی (۷) مشتاؔق دلشاد پوری (۸) تمنؔا دلشاد پوری۔

مرتّبِ کتاب کا سوانحی خاکہ:

نام: محمد رضوان ندوی
والد: قاضی حامد حسن
والدہ: عذرا خاتون
تاریخِ پیدائش: ۳/۳/۱۹۷۹ء
جائے پیدائش: مقام قاضی ٹولہ بھاگ طاہر (ہری پور) پوسٹ امور، وایا بائسی، ضلع پورنیہ، بہار
شریکِ حیات: کہکشاں ریاض
اولاد: قاضی محمد تابش، ادیبہ ناز، الیفہ ناز
تعلیمی لیاقت:
دینی علوم: عالم، فاضل
عصری علوم: ایم۔اے (اردو)، بی۔ایڈ
مشغلہ: درس وتدریس:
ملازمت: استاد اردو، ایس۔ایس ہائی اسکول، ہیلتا، بلرام پور، کٹیہار
تصنیفات وتالیفات:
مطبوعہ کتابیں:-۱۔کلامِ قاضی جلال ہری پوری، ۲۔ارمغانِ قاضی نجم ہری پوری، ۳۔قاضی نجم ہری پوری اور قاضی جلال ہری پوری: فکر وفن، ۴۔باقیاتِ قاضی جلال ہری پوری، ۵۔آئینۂ خیال (مکتوباتِ قاضی جلال ہری پوری)
غیر مطبوعہ کتابیں:-۱۔باقیاتِ قاضی نجم ہری پوری، ۲۔غنچۂ عشق، ۳۔قاضی جلال ہری پوری: حیات و خدمات، ۴۔یادِ رفتگاں ۵۔دیوانِ غالب کا عروضی مطالعہ، ۶۔کلیاتِ اقبال کا عروضی مطالعہ، ۷۔مشہور شعرا کے منتخب کلام کا عروضی مطالعہ۔

صاحبِ کتاب کا سوانحی خاکہ:

نام: قاضی نجم الدین احمد

تخلص: رسوا، نجم

قلمی نام: قاضی نجم ہری پوری

والد: قاضی منشی مہتاب الدین مرحوم

شریکِ حیات: شریف النساء

پیدائش: ۱۹۰۱ء

جائے پیدائش: مقام قاضی ٹولہ بھاگ طاہر (ہری پور) پوسٹ امور، وایا بائسی، ضلع پورنیہ، بہار

وفات: ۱۵/ اپریل ۱۹۴۹ء مطابق ۱۵/ جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ، ۲/ بیسا کھ ۱۳۵۷ملکی

اولاد: قاضی محمد طٰہٰ، زاہدہ خاتون، لڑکا بچپن ہی میں انتقال کر چکا تھا اس لیے آپ نرینہ اولاد سے محروم تھے۔

تصنیفات:

۱۔ ارمغان قاضی نجم ہری پوری (مطبوعہ)
۲۔ باقیاتِ قاضی نجم ہری پوری (زیرِ طبع)
۳۔ یادِ رفتگاں (زیرِ طبع)
۴۔ غنچۂ عشق، فارسی شعری مجموعہ (زیرِ طبع)